علامہ اقبال

اردو کلیات

شرح

بالِ جبریل

(www.iqbalrahber.com)

(۱)

میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بت کدہَ صفات میں

معانی: نوائے شوق: شوق کی آواز ۔ حریمِ ذات: عرشِ الٰہی ۔ غلغلہ: ہنگامے ۔ الاماں: خدا کی پناہ ۔ بتکدہَ صفات: کائنات ، ساری دنیا ۔

مطلب: اس مسلسل غزل کے پہلے شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ میری عشقیہ اور والہانہ پکار سے بارگاہ ایزدی میں ایک شور وتلاطم برپا ہوگیا جب کہ یہ وہ مقام ہے جہاں کسی فرد کے لیے بھی مداخلت کی گنجائش نہیں ہے ۔ شاعر کو ذات خداوندی سے ایسا والہانہ عشق ہے کہ وہ اس کی صفات کو بھی ایک بتکدے کی مانند اپنی وارفتگی کی راہ میں حائل سمجھتا ہے چنانچہ وہ سمجھتا ہے کہ میری والہانہ صدا اس بتکدہَ صفات کو بھی متلاطم کر گئی ۔

حور وفرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں
میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں

معانی: تجلیات: دیدار الٰہی کی روشنی ۔

مطلب: میری والہانہ صدا جب حریم ذات میں تلاطم پیدا کر سکتی ہے تو حور وفرشتہ لاکھ غیر مادی سہی پھر بھی وہ میری تخیل کے اسیر ہیں ۔ میں ان کی اصلیت کا مکمل ادراک کر سکتا ہوں ۔ میری بے باک نگاہی نے تو اے والا صفات تیری تجلیوں میں بھی خلل پیدا کر کے رکھ دیا ہے ۔

گرچہ ہے میری جستجو دیر و حرم کی نقشبند

میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومنات میں

معانی: جستجو: تلاش ۔ حرم کی نقشبند: کفر و اسلام کے جذبات پیدا کرنے والی ۔ رستخیز: قیامت ۔ کعبہ و سومنات: کعبہ اور مندر ۔

مطلب: اے باری تعالیٰ تجھے پانے کے لیے میں نے بت خانوں اور مسجدوں کی تعمیر کا اہتمام بھی کیا لیکن تلاش بسیار کے باوجود وہاں کچھ نہ ملا تو پھر اپنی فریاد سے میں نے کعبے اور بت خانوں میں قیامت کر دی ۔ اقبال یہاں دراصل اس نکتے کو پیش نظر رکھے ہوئے ہیں کہ ذات الٰہی عبادت گاہوں تک محدود نہیں ہے اس کا نور تو ہر جگہ و مقام پر ہے ۔ اسے دیکھنے کے لیے تو بس دیدۂ بینا کی ضرورت ہے ۔

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود

گاہ اُلجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

معانی: وجود: زندگی کائنات ۔ توہمات: وہم، شک شبہ ۔

مطلب: زندگی میں کبھی ایسا مرحلہ بھی آیا کہ میں نے اپنی تیز نگاہی سے انسانی وجود کی داخلی کیفیتوں اور حقیقتوں کا ادراک کر لیا اور کبھی یوں بھی ہوا کہ اپنے ہی توہمات میں ایسا الجھا کہ اپنی ہی شناخت مشکل ہو گئی ۔ اس شعر میں دو متضاد انسانی اور نفسیاتی کیفیتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

تو نے یہ کیا غضب کیا! مجھ کو بھی فاش کر دیا

میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

معانی: غضب: ظلم ۔ فاش: ظاہر کر دیا ۔ راز: بھید ۔ کائنات: پوری دنیا ۔
مطلب: یہ شعر بظاہر سیدھا سادہ ہے لیکن اتنا سادہ بھی نہیں کہ با آسانی اس کی گہرائی تک پہنچا جا سکے ۔ اقبال کہتے ہیں کہ اس کائنات کے سینے میں ایک میں ہی تو ایک چھپا ہوا راز تھا کہ تو نے یہ کیا غضب کیا کہ مجھ کو بھی فاش کر دیا ۔

(۲)

اگر کج رو ہیں انجم ، آسماں تیرا ہے یا میرا
مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو، جہاں تیرا ہے یا میرا

معانی: کج رو ہیں انجم: ٹیڑھے چلنے والے ستارے ۔
مطلب: اس غزل کے اس پہلے شعر میں اقبال خداوند عزوجل سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ستاروں کی چال درست نہیں تو اس کے لیے مجھے تو سزاوار نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ آسمان کا مالک بھی تو ہی ہے اور اس پر جگمگاتے ہوئے ستاروں پر بھی تیرا ہی اختیار ہے ۔ بے شک تو ہی قادر مطلق ہے اور میں تو ایک عاجز و لاچار بندہ ہوں ۔ اس جہان کی فکر بھی مجھے نہیں بلکہ تجھے ہی ہونی چاہیے کہ یہ جہاں یقیناً تیرا ہی پیدا کردہ ہے ۔

اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی
خطا کس کی ہے یارب! لامکاں تیرا ہے یا میرا

معانی: ہنگامہ ہائے شوق: شوق کی رونقوں سے ۔ لامکاں خالی: جہاں کوئی نہ رہتا ہو ۔
مطلب: یہ لامکاں ، یہ فضائے بسیط بھی تیری ہی دسترس میں ہے ۔ اس کے باوجود اگر یہاں تجھ سے والہانہ شگفتگی کا اظہار نہیں ہوتا تو اس کی ذمہ داری بھی اے خدا تجھ پر ہے ۔ مجھ پر تو نہیں ہو سکتی ۔

اسے صبحِ ازل انکار کی جرات ہوئی کیونکر
مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا

معانی: اسے : ابلیس کو ۔ صبح ازل: پہلے دن ۔ رازداں تیرا: بھید جاننے والا ۔
مطلب: ابلیس نے جو تیرے احکام سے روگردانی کی تو اپنے مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اسے انکار کی جرات کیونکر ہوئی ۔ اس لیے کہ ابلیس تو تیرے وابستگان خاص میں سے تھا اور تیرا رازدان بھی تھا ۔ اس صورت میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس ساری صورت حال کا تعلق مجھ سے تو نہیں تھا بلکہ تجھ سے اور صرف تجھ سے تھا ۔

محمد بھی ترا، جبریل بھی ، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

معانی: اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خاتم الانبیاؑ پیغمبر انقلاب حضور سرور کائنات احمد مصطفی ﷺ تیرے تھے ۔ تمام فرشتوں میں افضل و اعلیٰ حضرت جبرئیل جو تیری وحی انبیا کرام کو پہنچایا کرتے تھے ان کا تعلق بھی تجھ سے ہی تھا ۔ پھر وہ صحیفۂ کاملہ جب قرآن کی صورت میں پیغمبر آخر الزماں پر نازل ہوا وہ بھی تیرا تھا مگر وہ حرف شیریں جو وحی کی صورت میں نازل ہوا میرا تو نہیں تیرا ہی تھا ۔

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن
زوالِ آدمِ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا

معانی: کوکب: ستارہ یعنی آدمی ۔ زوالِ آدم خاکی: آدمی کا اپنے رہتے اور مقام سے گر جانا ۔ زیاں : نقصان یعنی اے اللہ اس کو تو نے ہی بنایا اور اس کے گرنے سے نقصان تیرا ہی ہوا ۔
مطلب: کائنات میں انسان کی حیثیت اس تابندہ ستارے کی طرح ہے جس سے سارا جہاں منور ہوتا ہے اور یہ روشنی تیری شناخت کا سبب بنتی ہے ۔ چنانچہ اگر یہی انسان زوال سے دوچار ہوا تو اس میں نقصان تیرا ہی ہے میرا نہیں ۔

(۳)

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے

مطلب: اقبال نے اس رباعی میں بھی گلہ مندی کا رویہ اختیار کیا ہے تاہم ابتدائی شعر میں قدرے طنز بھی ہے ۔ خداوند عزوجل سے مخاطب ہوتے ہوئے اقبال استفسار کرتے ہیں کہ قادر مطلق ہونے کے باوجود تو ضرورت مندوں کی پوری طرح کفالت کیوں نہیں کرتا ۔

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

معانی: تمثیلی سطح پر اگر سمندر کسی پیاسے کی تشنگی رفع کرنے کے لیے محض ایک قطرہ آب فراہم کرتا ہے تو اس سے اس کی پیاس کیسے بجھ سکتی ہے ۔ اس عمل کو تو رزاقی کی جگہ کنجوسی سے تعبیر کیا جانا چاہیے ۔

(۴)

اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

معانی: مری فریاد: شکایت ۔ داد: شاباش ۔ طالب: خواہشمند ۔
مطلب: مولائے کائنات! یہ امر تو اپنی جگہ کہ میری فریاد میں اثر ہے یا نہیں تاہم اس کو سننے میں تو کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے کہ میں تو ان افراد میں سے ہوں جو داد کا طلب گار ہونے کے بجائے اس نوع کے جھمیلوں سے آزاد ہوتے ہیں ۔

یہ مشتِ خاک، یہ صرصر ، یہ وسعتِ افلاک
کرم ہے یا کہ ستم ، تیری لذتِ ایجاد

معانی: مشتِ خاک: آدمی ۔ صرصر: تیز ہوا ۔ وسعتِ افلاک: آسمانوں کی فراخی ۔ کرم: رحمت ۔
مطلب: انسان جو ایک مشت خاک کے مانند ہے گوناگوں مصائب اور بلاؤں کے ہجوم میں گھرا ہوا ہے ۔ یہ بلائیں اور مصائب آسمانوں کی تمام تر وسعت کا احاطہ کیئے ہوئے ہیں ۔ اب اس کا اندازہ کیسے ہو کہ تیرے ذوق تخلیق میں یہ عمل قہر و غضب پر مبنی ہے یا لطف و عنایت کا حامل ہے ۔

ٹھہر سکا نہ ہوائے چمن میں خیمۂ گل
یہی ہے فصلِ بہاری یہی ہے بادِ مراد

معانی: خیمہَ گل: پھولوں کا خیمہ ۔ فصلِ بہاری: بہار کا موسم ۔ بادِ مراد: وہ ہوا جس سے خواہش پوری ہو ۔
مطلب: یہ درست ہے کہ بہار آئی تو باغوں میں پھول کھلے لیکن خزاں کے جھونکوں سے وہ سب کے سب مرجھا گئے ۔ کیا یہی وہ مختصر عرصہ زیست ہے جسے بہار کے موسم اور باد مراد سے منسوب کیا جاتا ہے ۔

قصور وار ، غریب الدیار ہوں ، لیکن
ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

معانی: غریب الدیار: بے وطن ۔ ترا خرابہ: غیر آباد جہان ۔
مطلب: خداوندا! بے شک تو نے آدم کو ایک گناہ کی پاداش میں کرہَ ارض پر جلاوطن تو کر دیا تاہم اس نے اس خراب کو ایک گلشن میں تبدیل کر دیا ظاہر ہے کہ یہ عمل تیرے فرشتوں کے بس کا روگ نہ تھا ۔

مری جفاطلبی کو دعائیں دیتا ہے
وہ دشتِ سادہ، وہ تیرا جہانِ بے بنیاد

معانی: جفا طلبی: محنت مشقت ۔ دشت سادہ: صحرا، غیر آباد علاقہ ۔ بے بنیاد: جس کی کوئی بنیاد نہ ہو ۔
مطلب: یہ آدم کی محنت اور جفاکشی تھی جس نے ویران خطہَ ارض کو گل و گلزار بنا دیا ۔ یہاں کے موجود عناصر آج بھی اس حقیقت کے معترف ہیں ۔

خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

معانی: خطر پسند طبیعت: خطرے پسند کرنے والی طبیعت ۔ سازگار: درست نہیں ۔ گلستاں :باغ ۔ صیاد: شکاری ۔
مطلب: خطروں اور مشکلات سے نبرد آزما ہونے والی طباءع کسی ایسے گلستان کو بھی ناپسند کرتی ہیں جہاں کوئی مدمقابل موجود نہ ہو ۔

مقام شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انھی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

معانی: مقام شوق: عشق کی دنیا ۔ قدسیوں : فرشتوں ۔ حوصلے ہیں زیاد: زیادہ حوصلے والے، یہاں مراد انسان ہے ۔
مطلب: اے خدا یہ جاں نثاری کا عمل تیرے فرشتوں کے بس کا نہیں ہے اس کے سزاوار تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن میں جرات و ہمت کی کمی نہ ہو ۔ اس شرط پر فرشتے نہیں بلکہ آدم ہی پورا اتر سکتا ہے ۔

(۵)

کیا عشق ایک زندگیِ مستعار کا
کیا عشق پائیدار سے ناپائیدار کا

معانی: مستعار: مانگی ہوئی ۔ پائیدار: مضبوط ۔ ناپائیدار: کمزور ۔

مطلب: اس غزل کے پہلے شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ حیات انسانی عارضی اور فنا ہونے والی ہے اسے اس ذات مطلق سے عشق کا حوصلہ کیسے ہو سکتا ہے جو ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی ۔

وہ عشق جس کی شمع بجھا دے اجل کی پھونک
اس میں مزا نہیں تپش و انتظار کا

معانی: اجل: موت ۔ تپش: گرمی ۔

مطلب: وہ عشق جو فنا کے ایک تھپیڑے کا بھی متحمل نہ ہو سکے اس میں ہجر کی تپش اور انتظار میں جو اضطرابی کیفیت ہوتی ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔

میری بساط کیا ہے تب و تاب یک نفس
شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا

معانی: بساط: حیثیت ۔ تب و تاب یک نفس: ایک دم کی چمک دمک ۔ بے محل: بے فائدہ ۔ شرار: چنگاری ۔

مطلب: میں اپنے وجود میں ایک ایسے ستارے کے مانند ہوں جو لمحے بھر کے لیے چمک دکھا کر غائب ہو جاتا ہے ۔ مجھ سا ایک ادنی انسان اس ذات مطلق سے کیسے الجھنے کا حوصلہ کر سکتا ہے جو پوری کائنات پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے ۔

کر پہلے مجھ کو زندگیِ جاوداں عطا

پھر ذوق و شوق دیکھ دلِ بے قرار کا

معانی: زندگی جاوداں : ہمیشہ کی زندگی ۔ ذوق و شوق: شوق کے کارنامے ۔ بے قرار: بے چین ۔

مطلب: خداوندا! اگر میرا حوصلہ اور شوق وارفتگی دیکھنا ہے تو ایسی طویل عمر عطا کر جس میں فنا کا تصور بھی موجود نہ ہو۔

کانٹا وہ دے کہ جس کی کھٹک لازوال ہو

یارب وہ درد جس کی کسک لازوال ہو

معانی: کھٹک: چبھن ۔ لازوال: جس کو زوال نہ ہو، ہمیشہ ۔ درد: تکلیف ۔

مطلب: اے میرے معبود میرے دل کو وہ خلش عطا کر جو ہمیشہ برقرار رہ سکے اور ایسا درد دے جس کی کسک لازوال ہو۔

رباعی

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر

حریمِ کبریا سے آشنا کر

معانی: مرکز مہر وفا: محبت اور وفاداری کے مرکز۔ حریم کبریا: بڑے عبادت خانے سے واقفیت دے ۔

مطلب: اس رباعی میں اقبال دعائیہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے خداوند عزوجل سے درخواست گزار ہیں کہ مولا! انسانی قلوب کو اپنی محبت سے لبریز کر دے اور انہیں راہ وفا پر گامزن کر دے ۔

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے

اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

معانی: نان جویں: جو کی روٹی ۔ بازوئے حیدر: حضرت علی کی قوت ۔

مطلب: وہ مفلس و نادار اور بے سروسامان لوگ جن کے وسائل اتنے محدود ہیں کہ پیٹ بھرنے کے لیے جو کی روٹی پر ہی اکتفا کرتے ہیں تو یہی سہی تاہم ان کے بازووں کو قوت حیدری سے بھی نواز دے ۔ اقبال نے اپنے کلام میں بے شمار مقامات پر حضرت علی مرتضیٰ کی جرات و ہمت اور استغنائی کا بار بار ذکر کیا ہے ۔ وہ ان کے مثالی کردار کے بڑی شدت کے ساتھ قائل تھے ۔

(٦)

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یارب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

معانی: پریشاں : بکھر کر ۔ خاک: مٹی ۔
مطلب: اس غزل کا بنیادی موضوع عشق ہے ۔ اقبال کہتے ہیں کہ موت کے بعد میری خاک کے منتشر ذرات اگر یکجا ہو کر دل کی صورت اختیار نہ کر لیں تو پھر میں اسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں گا جو عشق کی صورت میں زندگی کے دور میں مجھ پر مسلط تھی ۔ مطلب یہ کہ زندگی میں جس عشق میں گرفتار رہا ایسا نہ ہو کہ موت کے بعد بھی اسی صورت حال سے دوچار ہو جاؤں ۔

نہ کر دیں مجھ کو مجبورِ نوا فردوس میں حوریں
مرا سوزِ دروں پھر گرمیِ محفل نہ بن جائے

معانی: مجبور نوا: بولنے پر مجبور ۔ فردوس: جنت ۔ حوریں : جنت کی حسینائیں ۔ سوزِ دروں : اندرونی جلن ۔
مطلب: اگر بہشت میں بھی پہنچ گیا تو وہاں موجود حوریں مجھے اظہار عشق کی اس کیفیت پر مجبور نہ کر دیں جس کے سبب میری زندگی میں فتور برپا رہا ۔

کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینے میں غمِ منزل نہ بن جائے

معانی: منزل: مقام ۔ راہی: مسافر ۔ کھٹک: چبھن ۔
مطلب: منزل تک رسائی میں ناکامی کا جو دکھ ہوتا ہے وہ مسافر کے لیے ایک مستقل خلش بن جاتا ہے اور منزل تک پہنچنے کے لیے جدوجہد میں حائل ہو جاتا ہے ۔ اقبال اس صورت حال کو اپنے فکر کی نفی تصور کرتے ہیں ۔

بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا ساحل نہ بن جائے

معانی: ناپیداں کراں: جس کا کنارا نہ ہو ۔ خود نگہداری: خودداری، خود شناسی ۔
مطلب: جذبہ عشق نے مجھے ہر چند کہ ایسی وسعت عطا کر دی ہے جو ایک بیکراں سمندر کی سی ہے اب خدشہ یہ ہے کہ یہی تصور ایک ایسے ساحل کی حیثیت اختیار نہ کر دے جو میرے عمل ارتقاء کی جدوجہد میں سنگ راہ بن جائے ۔

کہیں اس عالمِ بے رنگ و بو میں بھی طلب میری
وہی افسانہَ دنبالہَ محمل نہ بن جائے

معانی: بے رنگ و بو: بے مزا ۔ طلب: ضرورت ۔ دنبالہ: پچھلا حصہ ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال نے لیلیٰ اور مجنوں کے معاشقے کی روایتی داستان کے حوالے سے یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ میں اس عالم

رنگ و بو میں بھی جنون عشق میں مبتلا ہو کر مذکورہ داستان کی تمثیل نہ بن جاؤں ۔ یعنی زندگی بھر تو محبوب کی طلب ناکامی کا مظہر رہی اور اگر بعد از مرگ دوسری دنیا میں بھی ایسا ہوا تو انتہائی کرب انگیز ہو گا ۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

معانی: عروج آدم: آدمی کی بلندی ۔ انجم: ستارے ۔ ٹوٹا ہوا تارا: آسمان سے اترا ہوا آدمی ۔ مہہ کامل: پورا چاند ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال نے ستاروں اور مہ کامل کی علامتوں کے حوالے سے اپنے عہد میں انسان کے ارتقاء کا ذکر کیا ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ آج ایک عام انسان کی جدوجہد کے سبب اسے جو عروج حاصل ہو رہا ہے اس نے معاشرے میں موجود اشرافیہ کو خوفزدہ کر کے رکھ دیا ہے کہ اس نے اپنی جدوجہد کے ساتھ کامیابی کی منزل تک رسائی حاصل کر لی تو ان کی اہمیت ختم ہو کر رہ جائے گی ۔

(۷)

دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی
دل ہر ذرہ میں غوغائے رستاخیز ہے ساقی

معانی: دگرگوں : خراب حال ۔ گردش: چکر لگانا ۔ غوغائے رستاخیز: اٹھواٹھو کا شور ۔
مطلب: اس عالم انتشار میں ملت اسلامیہ کی مخالف قوتوں نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں جن کے نتیجے میں پورا ماحول عرصہ قیامت بنا ہوا ہے ۔

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

معانی: متاعِ دین و دانش: مذہب اور عقل کی دولت ۔ غمزدۂ خوں ریز: خون بہانے کی ادا ۔
مطلب: وہ لوگ جو خداوند ذوالجلال کے حقیقی نام لیوا ہیں اب وہ ایسی مشکلات سے دوچار ہو چکے ہیں کہ انھوں نے اپنے حقیقی منصب کو بھی فراموش کر دیا ۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

معانی: نامحکمی: کچاپن ۔ نشاط انگیز: عیش دینے والا پانی یعنی شراب ۔
مطلب: امت مسلمہ میں عقیدے اور جذبات کی سطح پر ماضی کی طرح ایک بے یقینی کی کیفیت طاری ہے ۔ اس مسئلے کا حل ایک انقلاب نامہ میں مضمر ہے ۔ ایسا انقلاب جو سرور کائنات کے فرمودات سے ہم آہنگ ہو ۔

حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
کہ پیدائی تری اب تک حجاب آمیز ہے ساقی

معانی: سوزِ آرزو: خواہش کی گرمی ۔ پیدائی: ظاہر ہونا ۔ حجاب آمیز: پردے میں ۔
مطلب: اس شعر میں بھی اقبال خداوند تعالیٰ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ مسلم امہ کے دل جذب و کیف سے خالی ہو چکے ہیں ۔ حوصلہ اور بیداری کی قوت ناپید ہو چکی ہے ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تیرے مظاہر پردۂ حجاب میں ہیں ۔ اگر تری تجلیات ان کے دلوں کو منور کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان میں وہ جذبہ پیدا نہ ہو جائے جو ابتدائے اسلام کا آئینہ دار تھا ۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایراں ، وہی تبریز ہے ساقی

معانی: کوئی رومی: مولانا جلال الدین رومی ۔ لالہ زاروں : پھولوں کے باغ ۔ آب و گل: پانی اور مٹی ۔ تبریز: ایران کا شہر ۔
مطلب: اس حقیقت کا کسے علم نہیں کہ اقبال کا شمار مولانا روم کے مداحوں میں ہوتا ہے وہ ان کے افکار و نظریات کو اپنی سوچ کا مرکز و محور تصور کرتے ہیں ۔ دوسری مولانا روم کے استاد شمس تبریز کا تعلق بھی ایران سے ہی تھا یہی وجہ تھی کی اقبال مملکت ایران اور اس کے دانشوروں کی صلاحیت کے ہمیشہ قائل تھے ۔ اس امر پر کبیدہ خاطر ہیں کہ مولانا روم کے بعد ایران کی سرزمین سے کوئی دوسرا ایسا دانشور پیدا نہیں ہوا جو مسلمانان عالم کی رہنمائی کر سکے ۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

معانی: کشتِ ویراں : اجڑی ہوئی کھیتی ۔ زرخیز: اچھی پیداوار دینے والی ۔
مطلب: اس شعر میں علامہ اقبال کی رجائیت پسندی پھر سے لوٹ آئی ہے اور کسی نوع کی نا امیدی کا شکار ہونے کے بجائے حوصلہ مندی کا مظاہری کرتے ہوئے یقین ظاہر کرتے ہیں کہ ذرا حالات سازگار ہوں تو ہم ہر مرحلہ جاں گداز سے گزر سکتے ہیں ۔

فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی

معانی: بہا میری نوا: میری آواز کی قیمت ۔ دولتِ پرویز: پرویز، ایرانی بادشاہ کی سلطنت کے برابر ہے ۔
مطلب: قدرت نے مجھے ایسے درویش کو جن رازہائے درون پردہ سے آشنا کیا ہے اور میں جس انداز سے ان کو عام لوگوں پر منکشف کرتا ہوں اس پر بادشاہوں کے خزانے بھی نچھاور کیئے جا سکتے ہی ۔

(۸)

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

معانی: بادہ و جام: شراب اور پیالہ یعنی اسلامی جذبہ و شوق ۔ میرا مقام: میری اصل حیثیت ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال خدائے عزوجل سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے پالنے والے مجھے وہی جذبہ عطا کر دے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں تھا اور جس جذبے کے تحت انھوں نے عروج حاصل کیا تھا ۔ اس جذبے کے حصول سے ہی میں وہی مرتبہ حاصل کر سکتا ہوں جو اس دور کے مسلمانوں کا تھا ۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

معانی: میخانے: شراب خانے یعنی اسلامی تعلیم کے دفتر ۔ فیض: عطا ۔
مطلب: اس شعر میں بھی اقبال نے ہندوستان میں اپنے عہد کی صورت حال اور گذشتہ تین سو سال کے دوران ملت اسلامی پر جو جمود طاری رہا ہے اس کے حوالے سے وہ دعا کرتے ہیں کہ خدا کرے فیض خداوندی عام ہو اور یہ جمود ٹوٹ جائے ۔

مری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی

معانی: مینائے غزل: غزل کی صراحی یعنی میرا کلام ۔ حرام: ناجائز ۔
مطلب: شاعر کا کہنا ہے کہ میری تخلیقات میں کہیں کہیں دین کے فکری اجزاء موجود ہیں ۔ شریعت کے دعویدار شیخ کو ان کا وجود

بھی گوارا نہیں ۔ بالفاظ دگر آج کا مولوی اس قدر رجعت پسند ہے کہ اسلام کے فکری نظام کے حوالے سے اس کا کوئی ترقی پہلو کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ نہیں ۔

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملاّ کے غلام اے ساقی

معانی: شیر مردوں : بہادر آدمی ۔ بیشہ : جنگل ۔ تحقیق: حقیقت تلاش کرنا ۔ تہی: خالی ۔ صوفی و ملا: تصوف اور ملائیت ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ دین کو فکری سطح پر پرکھنے کی بجائے جذباتیت اور عصبیت کے حوالے کیا جا رہا ہے اس کے ذمے دار عملاً وہ لوگ ہیں جو ذہنی اور فکری سطح پر صوفی اور ملا کے پیروکار ہیں اور اپنے دینی امور میں کسی قسم کے اجتہاد کو برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ۔

عشق کی تیغِ جگر دار اُڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

معانی: عشق کی تیغِ جگر دار: عشق کی مضبوط تلوار ۔ علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی: علم کے ہاتھ میں خول رہ گیا ۔
مطلب: یوں محسوس ہوتا ہے کہ بنیادی عقیدے اور جذبے سے جو عشق تھا وہ ختم ہو کر رہ گیا ہے جس کے باعث وہ علم بھی اسی طرح کی حیثیت کا حامل بن گیا ہے جیسے کہ میدان کارزار میں کوئی تلوار نکالنا چاہے تو اسے نیام خالی ملے ۔

سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات
ہو نہ روشن تو سخن مرگِ دوام اے ساقی

معانی: روشن : چمک دار ۔ سوزِ سخن: کلام کی گرمی ۔ مرگِ دوام: ہمیشہ کی موت ۔
مطلب: انسان میں کچھ حاصل کرنے اور جذب کرنے کا شعور ہو تو بات میں وزن پیدا ہو جاتا ہے اور جب یہ شعور ہی موجود نہ ہو تو کتنی ہی اہم بات کہی جائے وہ بے معنی ہی نظر آتی ہے ۔ بالفاظ دگر انسان حقیقت شناس ہو تو حق بات اس کی زندگی کے لیے ایک نصب العین بن جاتی ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو کتنا ہی اہم قول ہو وہ بے معنی بن جاتا ہے ۔

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

معانی: مہتاب: چاند ۔ محروم: خالی ۔ ماہِ تمام: پورا چاند ۔
مطلب: اس شعر میں اپنے مخصوص انداز و استعاروں میں بارگاہ ایزدی میں درخواست گزار ہیں کہ میری قوم بے شک ادبار کا شکار ہے لیکن تو براہ کرم اسے اپنے بے پناہ وسائل سے محروم نہ رکھ اور اسے اپنے الطاف و کرم سے نواز دے ۔

(۹)

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الہ الا ھو

معانی: ساقی: اللہ تعالیٰ ۔ من وتو: میرا تیرا یعنی ہم دونوں ایک ہیں ۔ مئے لا الہ الا ہو: کلمہ طیبہ کا انعام یعنی شراب توحید۔
مطلب: اس غزل کے مطلع میں اقبال کہتے ہیں کہ پالنے والے کے حسب ارشاد من وتو کا فرق مٹا دیا ہے ۔ کہنے کا مطلب ہے کہ خدا کے سوا عبادت کے لائق اور کوئی فرد نہیں ہے اور اسی کے سبب میں اور تو کا فرق مٹا کر کوئی امتیاز باقی نہیں رکھا گیا ۔

نہ مے، نہ شعر، نہ ساقی، نہ شورِ چنگ و رباب
سکوتِ کوہ و لبِ جوے و لالۂ خود رُو

معانی: مے: شراب ۔ ساقی: پلانے والا ۔ شورِ چنگ و رباب: راگ رنگ کا شور ۔ سکوت: خموشی ۔ کوہ: پہاڑ ۔ لب جو: ندی کنارے ۔ لالۂ خودرو: قدرتی اگا ہوا لالہ کا پھول ۔
مطلب: اس شعر میں کہا گیا ہے کہ مجھے نہ تو شعر کی ضرورت ہے نہ شراب کی، نا ہی ساقی کی اور نا ہی سازوساز نغمہ کی اس کے برعکس میں تو پہاڑ کے دامن کا سکوت ندی کا کنارا اور اس پر اگے ہوئے خودرو لالے کے پھولوں کا خواہاں ہوں کہ یہی وہ اشیاَ ہیں جو میرے قلب وروح کے لیے باعث سکون واطمینان ہو سکتی ہیں ۔

گدائے مے کدہ کی شانِ بے نیازی دیکھ
پہنچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبو

معانی: گدائے میکدہ: میکدے کا فقیر ۔ بے نیازی: بے پروائی ۔ چشمۂ حیواں : دائمی زندگی دینے والا پانی کا چشمہ ۔ سبو: پیالہ ۔

مطلب: یہاں اقبال کا کہنا ہے کہ میں ایک ایسا درویش ہوں جس کی بے نیازی کا یہ عالم ہے کہ آب حیات کے چشمے پر پہنچ کر بھی اس کا ایک قطرہ پینے سے بھی اجتناب کرتا ہے اور اس کے جملہ لوازمات سے بھی بیگانہ بن چکا ہے ۔

مرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

معانی: سبوچہ : چھوٹا سا پیالہ ۔ غنیمت : جو مل جائے اس پر کفایت کرنا ۔ خالی ہیں صوفیوں کے کدو: صوفی لوگ بھی علم سے خالی ہیں ۔ کدو: برتن ۔

مطلب: اس عہد کم سواد میں تو میری محدود فکر سے پیدا ہونے والی روشنی کو ہی غنیمت سمجھ کہ اس عہد کے اہل صفا تو علم و ہنر کی روشنی سے محروم و بیگانہ ہو چکے ہیں بالفاظ دگر یہ عہد شعور سے خالی ہو گیا ہے ۔

میں نو نیاز ہوں ، مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو

معانی: نو نیاز: نیا مرید ۔ حجاب: پردہ ۔ اولیٰ: بہتر ہے ۔ نگاہ بے قابو: نگاہ پر قابو نہیں ۔

مطلب: علامہ اقبال اس شعر میں عشق الہٰی کے اس ابتدائی مرحلے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جہاں ایک نیاز مند قربت خدا اور اس کے جلوے کی تمنا کر سکے اس لیے کہ ایسے میں چاہنے والے کی نگاہ بھی دل سے زیادہ مضطرب اور بے قرار ہوتی ہے جس پر قابو پانا محال ہوتا ہے ۔ اس شعر میں اقبال نے عشق الہٰی کے ابتدائی ایام کی اضطرابی کیفیت کی جانب اشارہ کیا ہے ۔

اگرچہ بحر کی موجوں میں ہے مقام اس کا
صفائے پاکیِ طینت سے ہے گہر کا وضو

معانی: بحر: سمندر ۔ موجوں : لہروں ۔ طینت : فطرت کی پاکبازی ۔ گہر: موتی ۔
مطلب: یہ درست ہے کہ موتی کا اصل مقام سمندر میں ہوتا ہے جہاں ہر لمحے اس کا واسطہ سمندر کے پانی سے ہوتا ہے اس کے باوجود اس کی فطرت کی پاکیزگی ہی اسے مصفا بناتی ہے ۔ اس شعر میں اقبال کا اشارہ اس حقیقت کی جانب ہے کہ انسان کو کتنا ہی اچھا ماحول ملے کہیں اس کی فطرت میں موجود پاکیزگی ہی اس کی عظمت و صفا کا سبب بنتی ہے ۔

جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے
نگاہِ شاعرِ رنگیں نوا میں ہے جادو

معانی: جمیل: خوبصورت ۔ گل و لالہ فیض: گلاب اور لالے کے پھول اس کے عطا سے خوبصورت ہیں ۔
مطلب: یہ ایک خوبصورت اور باصلاحیت شاعر کی صلاحیتوں کا کمال ہے کہ جب وہ اپنے اشعار میں پھولوں کا ذکر کرتا ہے تو اس کے تخلیقی فیض کے سبب یہ پھول بھی زیادہ شاداب و خوش رنگ نظر آتے ہیں ۔

(۱۰)

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

معانی: متاع: سامان ۔ بے بہا: یعنی ایسی قیمت جو ادا نہ ہو سکے ۔ مقام بندگی: اطاعت کا مقام ۔ شانِ خداوندی: اللہ کی شان کے مقابل ۔

مطلب: اس غزل کے مطلع میں اقبال نے کہا ہے کہ عشق حبیب میں سوز و درد ایسے عوامل ہیں جن کی قدر و قمیت کا اندازہ ناممکنات سے ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے وجود کی انفرادیت کے مقابلے میں آقائیت کی بے نیازی کا سودا کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکوں گا ۔

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی

آزاد بندوں : جو ہر طرح بلند نظر ہوں ۔

مطلب: اس شعر میں اقبال خداوند تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ ہم انسان اپنے وجود میں کیسے آزاد ہوئے جب کہ زندگی میں تو ہم پر فنا ہونے کی پابندی عائد کی گئی ہے اور موت کے بعد دوبارہ جینا بھی ممکن نہیں ہے ۔ وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ انسان اپنی ذات میں خود مختار کیسے ہوا جب کہ اسے اپنی مرضی سے نہ تو مرنے کا اختیار ہے نا ہی بعد از فنا دوبارہ زندہ ہونے کے استطاعت رکھتا ہے ۔

حجاب اکسیر ہے آوارۂ کوئے محبت کو
مری آتش کو بھڑکاتی ہے تیری دیرپیوندی

معانی: حجاب: پردہ ۔ اکسیر: بہترین دوا ۔ آوارۂ کوئے محبت: محبت کو کوچے میں پھرنے والا ۔ دیرپیوندی: دیر سے ملنے والا ۔
مطلب: محبت میں سرگردانی تو چاہنے والے کا مقدر ہوتی ہے تاہم یہ ضرورت ہے کہ محبوب کا پردے میں رہنا اس کے جذبات کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے ۔ کہ محبوب جب تا دیر پردے میں رہے تو سوز عشق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ بالفاظ دگر ہجر کی گھڑیاں عاشق کے لیے اضطراب کا سبب بن جاتی ہیں ۔

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لیے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی

معانی: گزر اوقات: گزارا کرنا ۔ کوہ و بیاباں: پہاڑوں اور جنگلوں میں ۔ شاہیں : باز ۔ ذلت: بے عزتی ۔ کار آشیاں بندی: گھونسلہ بنانا ۔
مطلب: اس شعر میں شاہیں کا استعارہ شاعر نے بلند حوصلہ اور جرات مند لوگوں کے لیے استعمال کیا ہے کہ جس طرح شاہیں اپنا گھونسلہ بنانے کو ذلت تصور کرتا ہے اس کے برعکس وہ آزادانہ پرواز کے ساتھ پہاڑوں اور جنگلوں میں بسیرا کرتا ہے اسی طرح مردان حر کو بھی کسی خاص مکان کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہاں اپنا سر چھپا کر بیٹھ جائیں بلکہ وہ جدوجہد کے ذریعے اپنا مستقبل استوار کرتے ہیں ۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

معانی: فیضانِ نظر: نظر کی عطا تھی ۔ مکتب: مدرسہ ۔ اسماعیل: حضرت اسماعیل ۔ آداب فرزندی: بیٹا ہونے کے آداب ۔
مطلب: حضرت اسماعیل نے اپنے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم کے خواب کی تکمیل کے لیے جس طرح خود کو قربانی کے لیے پیش کیا

ان کا یہ کردار کسی مدرسے کی تعلیمات کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس میں حضرت ابراہیم کی تربیت کا پوری طرح سے عمل دخل تھا ۔ اقبال کے مطابق نیک اور فرمانبردار اولاد کا ایسا ہی کردار ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت اسماعیل کا تھا ۔ ان کی فرمانبرداری اور جذبہ قربانی ایک ایسی مثالی حیثیت کے حامل ہیں جو ہمیشہ یادگار رہیں گے ۔

زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمت ہے لحد میری
کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی

معانی: زیارت: دیکھنے کی جگہ ۔ اہل عزم و ہمت: ہمت والے بہادر لوگ ۔ لحد میری: میری قبر ۔ خاک راہ: آدمی ۔ الوندی: پہاڑ کا نام ۔
مطلب: اقبال اس شعر میں کہتے ہیں کہ موت کے بعد میری لحد مستحکم ارادہ رکھنے والے اور حوصلہ مند لوگوں کے لیے زیارت گاہ کی حیثیت اختیار کر لے گی کہ میری تعلیمات نے تو راستے کی خاک پر بھی قدرت الہٰی کے راز افشاں کر دیے ۔

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

معانی: مشاطگی: کنگھی کرنا ۔ حسن معنی: علم کی خوبی ۔ فطرت: قدرت ۔ لالے: پھول ۔ حنا بندی: سرخ کرنا ۔
مطلب: فطری حسن کو کسی بناوٹ اور سنگھار کی ضرورت نہیں ہوتی جس طرح قدرت نے لالے کے پھول کو ایک فطری سرخ رنگ عطا کیا ہے اسی طرح سے سچائی کے اظہار میں کسی طمع سازی کی حاجت نہیں ہوتی ۔

(۱۱)

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہِ محبت ، وہ نگہ کا تازیانہ

معانی: ادب گہ محبت: پہلی محبت کی ادب گاہ ۔ نگہ: منظر۔ تازیانہ: کوڑا۔
مطلب: اس غزل کے مطلع میں اقبال اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ کیا تجھے وہ زمانہ یاد نہیں جب پہلے پہل میرا دل تیری جانب ملتفت ہوا تو ہم دونوں کے رویے ایک دوسرے کے جذبات سے ہم آہنگ تھے لیکن اس ادب گہ محبت میں پر تیری نگاہ کسی تازیانے سے کم نہ تھی ۔

یہ بتانِ عصر حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ ، نہ تراشِ آزرانہ

معانی: بتانِ عصرِ حاضر: نئے دور کے معشوق ۔ مدرسے: سکول، مکتب ۔ ادائے کافرانہ: محبوب کی ادا ۔ تراشِ آزرانہ: آزر کی بت تراشی کی خوبی ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال نے عہد کی درس گاہوں سے فارغ التحصیل ہونے والے افراد کی ذہنی صلاحیت کی جانب اشارہ کیا ہے کہ یہ بے شعور لوگ کسی بت کی مانند ساکت و بے حس ہیں ۔ نہ تو ان میں کافروں کی سی خصوصیات ہیں نا ہی ان کی تراش خراش میں آذر کی سی ہنرمندی کا کوئی شائبہ دکھائی دیتا ہے بالفاظ دگر مذکورہ قسم کے افراد کی تربیت میں کوئی صلاحیت موجود نہیں ہوتی ۔

نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشۂ فراغت
یہ جہاں عجب جہاں ہے، نہ قفس نہ آشیانہ

معانی: فراغت: آرام ۔ قفس: پنجرہ ۔ آشیانہ: گھونسلہ ۔

مطلب: یہ ماحول کتنا ہی آزاد روی کا حامل ہو لیکن عملاً اس میں کہیں بھی کشادگی اور فراغت محسوس نہیں ہوتی ۔ یہ عجیب جہاں ہے جس میں نہ قید خانے کا پتہ چلتا ہے نہ ہی آشیانے کا وجود ہے ۔ دوسرے لفظوں میں ہمارا جو ماحول ہے اس پر گھٹن کی ایسی فضا محیط ہے جہاں اضطراب اور بے چینی کے سوا کچھ نہیں ۔

رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی

کہ عجم کے میکدوں میں نہ رہی مئے مغانہ

معانی: رگِ تاک: انگور کی بیل جس سے شراب کشید کرتے ہیں ۔ میکدے: جہاں شراب ملتی ہے ۔ مغانہ: شراب بنانے والے ۔

مطلب: اقبال مالک حقیقی سے ملتمس ہیں کہ ہماری تہذیب تباہی و بربادی کے آخری مراحل میں داخل ہو چکی ہے ۔ مولا اب تیرا ہی لطف و کرم اس کی بقا اور تعمیر کا سبب بن سکتا ہے ۔

مرے ہم صفیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے

انہیں کیا خبر کہ کیا ہے یہ نوائے عاشقانہ

معانی: ہم صفیر: ہم آواز ۔ نوائے: عشق کی آواز ۔

مطلب: میں نے جو عشق و محبت کے نغمے الاپے تو میرے ہمراہیوں نے یہ سمجھا کہ جس طرح موسم بہار میں مرغان چمن مست ہو کر اپنی اپنی لے میں گاتے ہیں میرے یہ اشعار بھی شاید موسم بہار کے اثرات سے ہم آہنگ ہیں ۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ یہ لوگ عشق و محبت کے نغموں میں جو سوز و کرب پوشیدہ ہوتا ہے اس سے قطعی واقف نہیں ۔

مرے خاک و خوں سے تو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا

صلہَ شہید کیا ہے تب و تابِ جاودانہ

معانی: مرے خاک و خوں : میری وجہ سے ۔ صلہَ شہید: شہید کا انعام ۔ تب و تاب: چمک دمک ۔ جاودانہ: ہمیشہ ۔
مطلب: خداوندا یوں لگتا ہے کہ تو نے انہی لوگوں کے خاک و خون سے بطور انعام اس جہان کی تخلیق کی ہے اس لیے کہ شہادت اور قربانی کا صلہ ہمیشہ کی تب و تاب ہی تو ہے ۔

(۱۲)

ضمیر لالہ مئے لعل سے ہوا لبریز
اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز

معانی: ضمیر لالہ: لالے کے پھول کی اندرونی حالت ۔ مئے لعل: سرخ شراب ۔ لب ریز: بھر گیا ۔ اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز: صوفی نے پرہیز چھوڑ دی تو شراب کی طرف لپکا ۔
مطلب: اس غزل کے مطلع میں اقبال کہتے ہیں کہ میں تو ایک ایسے لالے کے پھول کے مانند ہوں جس کا ضمیر شراب سرخ سے لبریز ہو چکا ہے ۔ بالفاظ دگر ایک عام فرد تو ہر جائز و ناجائز شے کو قبول کر لیتا ہے لیکن وہ لوگ جو مذہب کا لبادہ اوڑھے ہوئے ان کو کیا ہو گیا ہے کہ چشم زدن میں ہی اپنے مفادات کی خاطر مذہبی اصولوں کی نفی کرنے پر آمادہ ہو گئے ۔

بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز

معانی: بساط: چوپٹ، بچھونا ۔ پرویز: ایرانی بادشاہ ۔
مطلب: عشق الٰہی اتنی بڑی قوت ہے کہ جب وہ کسی فرد کے دل میں گھر کر لیتا ہے تو لاچار و نامراد ہونے کے باوجود تخت شاہی کا مالک بن جاتا ہے یعنی عشق الٰہی کے طفیل ایک بے سروسامان فرد بھی انتہائی ارفع اور بلند مدرج پر پہنچ جاتا ہے ۔

پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
جہاں وہ چاہیے مجھ کو کہ ہو ابھی نوخیز

معانی: فرسودہ: پرانا ۔ نوخیز: نیا نیا ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال اپنے رب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے مالک دوسرا تیری پوری کائنات اور اس کا نظام بوسیدہ اور پرانا ہو چکا ہے ۔ میں تو ایک ایسی کائنات اور نظام کا خواہاں ہوں جو نیا اور منفرد ہو جس میں تازگی بھی ہو اور شگفتگی بھی ہو ۔

کسے خبر ہے کہ ہنگامہَ نشور ہے کیا
تری نگاہ کی گردش ہے میری رُستاخیز

معانی: ہنگامہَ نشور: قیامت کو اٹھنا ۔ رُستاخیز: گرنا اٹھنا وغیرہ ۔
مطلب: قیامت کا حشر کیا ہے اس کی ہی ءت اور نوعیت کیا ہے یہ تو ایک سوالیہ نشان کے مانند ہے جس کا جواب اس لیے ممکن نہیں کہ قیامت کی حقیقت سے تو اسی وقت کوئی آشنا ہو سکتا ہے جب وہ اسے اپنی آنکھ سے دیکھ لے ۔ میرے لیے تو اے محبوب تیری نگاہ التفات اور لطف عنایات سے محرومی کا عمل ہی قیامت سے کم نہیں ہے یعنی میں تو اس صورت حال کو ہی قیامت تصور کرتا ہوں ۔

نہ چھین لذتِ آہِ سحر گہی مجھ سے
نہ کر نگہ سے تغافل کو التفات آمیز

معانی: لذت آہِ سحر گہی: صبح سویرے اٹھ کر عبادت کا مزا ۔ التفات آمیز: ملنے والا یعنی تغافل ۔
مطلب: خدائے ذوالجلال علی الصبح مجھے تجھ سے آہ و فریاد میں جو لطف حاصل ہوتا ہے مجھے تو وہی کافی ہے اپنے تغافل میں لطف و کرم کی آمیزش نہ کر کہ یہ میرے جذبہ عشق سے مطابقت نہیں رکھتی ۔

دلِ غمیں کے موافق نہیں ہے موسمِ گل
صدائے مرغِ چمن ہے بہت نشاط انگیز

معانی: دلِ غمیں : غمزدہ دل ۔ موسمِ گل: موسم بہار۔ صدائے مرغِ چمن: باغ کے پرندے کی چہچہاہٹ ۔ نشاط انگیز: خوشگوار ۔
مطلب: موسم بہار میرے دل رنجور کو راس نہیں آتا کہ یہ ماحول میری فطرت سے مطابقت نہیں رکھتا ہر چند کہ اس موسم میں خوشنما اور خوش نوا پرندوں کی صدائیں بڑی کیف آور ہوتی ہیں تاہم میرے دل رنجور کو یہ بھی پسند نہیں ۔

حدیث بے خبراں ہے، تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد ، تو با زمانہ ستیز

مطلب: بے خبر لوگوں کی بات ہے کہ زمانے سے صلح کرنی چاہیے لیکن اگر زمانہ صلح نہ کرے تو اس سے لڑائی کرنی چاہیے یعنی اس پر حاوی ہونا چاہیے ۔

(۱۳)

وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی
میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نے نوازی

معانی: کم نصیبی: بے نصیبی ۔ بے نیازی: بے پروائی ۔ نے نوازی: بانسری بجانا یعنی قوم کو بیدار کرنا ۔
مطلب: قادر مطلق سے خطاب کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں اتنا بڑا تخلیق کار ہونے کے باوجود میں اب بھی اسی طرح کم نصیب ہوں جس طرح کہ تو ہر معاملے سے بے نیاز ہے ۔ اب تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ شعر گوئی میں میں نے جو کمال حاصل کیا تھا وہ عملاً میرے لیے بیکار ثابت ہوا ۔

میں کہاں ہوں، تو کہاں ہے، یہ مکاں کہ لامکاں ہے
یہ جہاں مرا جہاں کہ تری کرشمہ سازی

مطلب: خدایا یہ تو بتا کہ میں کس مقام پر ہوں اور تو کس مقام پر ہے اور جس جگہ میرا قیام ہے وہ مکان ہے کہ لامکان ۔ یہ حقیقت بھی ایک سربستہ معلوم ہوتی ہے ۔ یہ عالم امکان میرے اپنے تخیل کا پیدا کردہ ہے یا اسے تیری کرشمہ سازی نے تخلیق کیا ہے مطلب یہ کہ انسان کو ابھی تک حقیقت ابدی کا سراغ نہیں مل سکا ۔

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومی، کبھی پیچ و تابِ رازی

معانی: کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تاب رازی: کبھی رومی کے نظریے پسند کیے کبھی رازی کی تفسیر میں الجھا ۔
مطلب: میری زندگی کی بیشتر راتیں تذبذب اور ذہنی کشمکش کا شکار ہیں کبھی مولانا رومی کے سوز و ساز سے دل ہم آہنگ ہوا اور کبھی اسی پر امام رازی کی فلسفیانہ موشگافیاں مسلط رہیں ۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

معانی: فریب خوردہ شاہیں : دھوکے میں آیا ہوا مسلمان ۔ کرگسوں : گدھ، برے لوگ ۔ رسمِ شاہبازی: عقابوں کے طریقے ۔
مطلب: اس شعر میں علامہ نے شاہیں اور کرگس کی علامتوں کے ذریعے قوم کے نونہالوں کی جانب اشارہ کیا ہے کہ وہ جس بزدلانہ اور منافقانہ ماحول میں پرورش پا رہے ہیں ان سے جرات مندی اور انقلاب پسندی کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے ۔ اس کی توجیہ کچھ یوں بھی ہوتی ہے کہ جو قوم کے نونہال انگریز کی غلامی اور ان کی تقلید کو ہی شرف قبولیت دے چکے ہیں ان سے ایسے نظام اور اقدار سے بغاوت کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے ۔ وہ تو اس حقیقت سے بھی بے خبر ہیں کہ آزاد اور حوصلہ مند نوجوانوں کی فطرت کیا ہونی چاہیے ۔

نہ زباں کوئی غزل کی ، نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دل کشا صدا ہو، عجمی ہو یا کہ تازی

معانی: اس شعر میں اقبال نے عہد کے تخلیقی عمل کو بے معنی قرار دیتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس میں تاثر ناپید ہے ساتھ ہی اس خواہش کا اظہار بھی کیا ہے کہ قوم کو کوئی پر لطف اور دلکشا نغمہ ملے جو خواہ فارسی زبان میں ہو یا عربی میں اس کے لیے زبان کی کوئی قید نہیں ۔

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی ، وہ نگہ کی تیغ بازی

معانی: اس شعر میں درویشی اور بادشاہی کے حوالے سے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ بظاہر وہ دونوں میں کوئی امتیاز اور فرق محسوس نہیں ہوتا ۔ درویش اپنے افکار اور خیالات کے ذریعے اور بادشاہ تلوار کے ذریعے لوگوں پر حکومت کرتا ہے عملاً دونوں کا کردار یکساں طرز کا ہے ۔

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

معانی: اقبال کہتے ہیں کہ کیفیت یہ ہے کہ ہر شخص انتشار و بے یقینی کا شکار ہو کر اپنا اپنا راگ الاپ رہا ہے ۔ کسی کو اجتماعی مفاد سے واسطہ نہیں ۔ اس کی قطعی وجہ یہی ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں اقتدار ہے وہ جسے قافلہ سالاری کے فراءض انجام دینے چاہیں وہی اپنے بے عملی اور ذاتی مفاد کے سبب قوم کی رہنمائی کا حامل نہیں ہے ۔ ایسے شخص کا قول و فعل اور کردار دوسروں کو کس طرح متاثر کر سکتا ہے جو ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر سوچنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا ۔

(۱۴)

اپنی جولاں گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں
آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں

معانی: جولاں گاہ: کام کا میدان ۔ زیرِآسماں: آسمان کے نیچے یعنی زمین پر ۔ آب و گل: پانی اور مٹی ۔
مطلب: مطلع کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ اپنی کارکردگی اور جدوجہد کو میں صرف زمیں تک محدود سمجھا تھا یہاں تک کہ پانی اور مٹی کے مابین جو ربط ہے وہی میری کائنات تھی ۔ بالفاظ دگر میں نے ایک خاص سطح سے بڑھ کر بلندی تک دیکھنے کی زحمت نہ کی ۔

بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طلسم
اک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں

معانی: بے حجابی: تری بے پردگی نے آنکھیں کھول دیں ۔
مطلب: میری نگاہوں کا طلسم اس لمحے ٹوٹ کر رہ گیا جب تو نے حجاب سے باہر آکر اپنا جلوہ دکھایا ورنہ صورت حال یہ تھی کہ فضا میں جو نیلے بادل ہیں ان کو ہی میں نے آسماں سمجھ لیا تھا تیرے جلوے کے پرتو سے مجھ پر حقیقت منکشف ہوئی ۔

کارواں تھک کر فضا کے پیچ و خم میں رہ گیا
مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں

معانی: پیچ و خم: چکر ۔ مہر و ماہ و مشتری: ستاروں کے نام ۔ ہم عناں: ہم سفر۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

مطلب: عشق ہی وہ قوت تھی جس نے مجھ پر ساری حقیقت کھول کر رکھ دی ورنہ قبل ازیں اپنی کم علمی کے سبب زمیں اور آسماں کو لا انتہا اور وسیع تر سمجھ رہا تھا یعنی عشق ہی وہ قوت ہے جو شعور ذات اور شعور کائنات سے روشناس کراتی ہے ۔

کہہ گئیں رازِ محبت پردہ داریہائے شوق
تھی فغاں وہ بھی جسے ضبطِ فغاں سمجھا تھا میں

معانی: رازِ محبت: محبت کا بھید ۔ داریہائے شوق: شوق کے چھپنے کی عادت ۔

مطلب: ہوا یوں کہ شوق کی پردہ داری نے ہی راز محبت فاش کر دیا اور جس کیفیت کو میں نے ضبط فغاں کا نام دیا راز محبت فاش ہونے کے بعد پتہ چلا کہ ضبط فغاں بھی عملاً فغاں بن گئی ۔

تھی کسی درماندہ رہرو کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

مطلب: فی الواقعہ وہ کسی درماندہ مسافر کی صدائے دردناک تھی جسے اپنی بے خبری سے میں نے قافلے کے کوچ کے اعلان کی آواز سمجھ لیا تھا ۔

(۱۵)

اک دانشِ نورانی، اک دانشِ برہانی
ہے دانشِ برہانی، حیرت کی فراوانی

معانی: دانشِ نورانی: نور سے بھری ہوئی عقل جو انسان کے دل و دماغ کو منور کر دے ۔ اور اسے حقیقتوں کو پہچاننے کے قابل بنا دے ۔ یہ عقل نور ایمان اور نور یقین کے مترادف ہے ۔ دانش برہانی: حکمت و فلسفہ کا علم، وہ عقل جس میں فلسفیانہ دلیلوں سے کام لیا جائے ۔ یہ یقینی طور پر حقیقتوں تک نہیں پہنچاتی اور عموماً دلیلوں ہی کے اندھیرے میں چکر لگاتی رہتی ہے ۔ حیرت کی فراوانی: حیرانی کی زیادتی ۔

مطلب: اس غزل کے مطلع میں اقبال نے دانش نورانی اور دانش برہانی کے مابین فرق کو واضح کیا ہے ان کے مطابق ایک دانش تو وہ ہوتی ہے جو نور ایمان اور نور یقین کے امتزاج سے جنم لیتی ہے اور قلب و روح کو منور کر دیتی ہے ۔ اس کے بر عکس دانش برہانی کا تعلق تعقل اور استدلال سے ہے جس سے حقائق تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے ۔ اور دلائل کی بھول بھلیاں میں ہی گردش کرتی رہتی ہے ۔ اس سے انسان کے اندر تجس میں تو اضافہ ہوضرور ہوتا ہے لیکن یہ کسی بنیادی نتیجے پر پہنچنے میں مددگار ثابت نہیں ہوتی ۔

اس پیکرِ خاکی میں اک شے ہے، سو وہ تیری
میرے لیے مشکل ہے اس شے کی نگہبانی

معانی: پیکر خاکی: مٹی کا بدن، مراد انسانی جسم ۔ نگہبانی: اس کو قابو میں رکھنا مشکل ہے ۔

مطلب: انسانی جسم میں ایک ایسی شے ہے جو تیری نذر کے قابل ہے اور وہ شے روح ہے یہی سبب ہے کہ میرے لیے اس کا تحفظ ممکن نہیں ۔

اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک
تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی

مطلب: فغاں : فریاد ۔ ستاروں تک: آسمان تک ۔ غزل خوانی: غزل پڑھنا، یعنی شاعری کرنا ۔
مطلب: میری آہ فریاد اب اگر ستاروں تک جا پہنچی ہے تو یہ تو ایک فطری امر ہے ۔ اس میں میرا کیا قصور ہو سکتا ہے جب کہ شعر کے ذریعے اظہار کا جوہر تو اے خدا تو نے ہی مجھے عطا کیا ہے ۔

ہو نقش اگر باطل ، تکرار سے کیا حاصل
کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی

معانی: تکرار: جھگڑا ۔ ارزانی : ستا یعنی ذلیل ہونا ۔
مطلب: انسان جس طرح سے فنا و بقا کے مراحل سے گزرتے ہیں اس سے تو اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی وجود ایک نقش باطل کی طرح تھا جب چاہا اسے تیرے قبضہ قدرت نے ختم کر ڈالا لیکن یہ تو بتا کہ انسان جس کو تو نے خود تخلیق کیا اور فرشتوں سے بھی افضل قرار دیا پھر اس آسانی سے اس کو فنا کرنے اور اس کی ناقدری کیا خود تیرے لیے باعث مسرت ہے ۔

مجھ کو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملاّ ہیں کیوں ننگِ مسلمانی

معانی: زندیقی: ظاہری ایمان، گمراہی ۔ ننگِ مسلمانی: اسلام کو بدنام کرنے والے ۔
مطلب: تسلیم کہ مغرب کی تعلیم و تہذیب نے مجھے تو مذہب سے لاتعلق کر دیا لیکن اس عہد کے ملا پر تو مغربی تہذیب و علوم کا سایہ تک نہیں پڑا پھر کیا وجہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ مذہب سے لاتعلق ہے بلکہ اس کے لئے باعث ننگ ہو کر رہ گیا ہے ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ملا بالعموم اپنے مفادات کے لیے اسلام کی غلط تاویلیں کر کے عام لوگوں کو اس سے منحرف کر رہے ہیں ۔

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقریر کا زندانی

معانی: تقدیر شکن: تقدیر کو بدلنے والی طاقت ۔ تقریر: باتیں کرنے والی ۔ زندانی: قیدی ۔

مطلب: وہ احمق لوگ ہیں جو انسان کو تقدیر کا پابند سمجھتے ہیں جب کہ وہ تقدیر کے خلاف جدوجہد کی قوت بھی رکھتا ہے اور واقع یہ ہے کہ انسان نے اپنی بے ہمتی اور بے عملی کے سبب کسی بھی معاملے کو تقدیر کا نام دے دیا ہے حالانکہ خدا نے انسان کو وہ قوت بھی عطا کی ہے جو نامساعد حالت کو اپنی مرضی کے مطابق بدل ڈالے ۔

تیرے بھی صنم خانے، میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی ، دونوں کے صنم فانی

معانی: صنم خانے: بت خانے ۔ صنم: بت ۔

مطلب: یہ شعر قدرے الجھا ہوا ہے اور اس کی تشریح یوں تو ایک سے زیادہ ہو سکتی ہے تا ہم صحیح تشریح کے لیے خاصی تگ و دو کی ضرورت ہے چونکہ اس غزل کے باقی اشعار میں اقبال خدائے ذوالجلال سے مخاطب ہیں لہذا شعر کے مطابق یہ کہنا غلط ہو گا کہ جس طرح انسان کے بنائے ہوئے بت مٹی کے ہیں اسی طرح خدا نے بھی جو بت بنائے ہیں وہ مٹی کے ہیں ۔ اور دو طرح کے بت فنا ہونے جانے والے ہیں ۔ یہ تصور بھی بے معنی ہے لہذا یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ اس شعر میں اقبال کا مخاطب خدا نہیں بلکہ اور کوئی ہے اور وہ کون ہے یہ امر ایک سوالیہ نشان کی حیثیت رکھتا ہے ۔

(۱۶)

یارب! یہ جہانِ گزراں خوب ہے لیکن
کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنر مند

مطلب: بنیادی طور پر بال جبریل کی یہ تخلیق غزل نہیں بلکہ اقبال کے مخصوص اسلوب کی نظ میں اس کے ابتداء ی شعر میں علامہ اس کرب میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ یہ دنیا اپنی جگہ خوبصورت اور خوشنما سہی لیکن کیا وجہ ہے کہ یہاں صاف دل اور باکمال ہنر مند موجود ہیں ان کی تذلیل کس لیے ہوتی ہے اور انہیں نچلی سطح کا فرد کیوں سمجھا جاتا ہے؟ یہ سوال اس شعر میں اقبال نے خدا کو مخاطب کر کے اٹھایا ہے۔

گو اس کی خدائی میں مہاجن کا بھی ہے ہاتھ
دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو خداوند

مطلب: دوسرے شعر میں اس موضوع کو آگے بڑھاتے ہوءے اقبال کہتے ہیں کہ ہرچند اس دنیا پر سرمایہ دار طبقے کا تسلط اور اجارہ داری قاءم ہے تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا بھر کے لوگ انگریز کو بھی خداوند کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

تو برگِ گیاہے ندہی اہلِ خرد را
او کِشتِ گل و لالہ بہ بخشد بخرے چند

مطلب: اقبال یہاں خدا سے گلہ مند ہیں کہ بظاہر تو باکمال اور اہل دانش افراد کو گھاس کی ایک پتی سے بھی نہیں نوازا جاتا جب کہ ہندوستان پر مسلط انگریز نے انتہاء ی احمق اور نالاءق افراد کو انتہاء ی عروج پر چڑھا رکھا ہے۔

حاضر ہیں کلیسا میں کباب و مئے گلگوں
مسجد میں دھرا کیا ہے بجز موعظہ و پند

معانی: موعظہ: وعظ، نصیحت۔

مطلب: اقبال کا کہنا ہے کہ عیساءیوں کے کلیساؤں میں تو شراب وکباب فراہم کءے جاتے ہیں جب کہ عالم اسلام کی مساجد میں خشک قسم کے وعظ وپند اور نصیحتوں کے سوا اور کیا رکھا ہے۔ بالفاظ دیگر ان مساجد میں عام مسلمان کی دلچسپی کا توکوءی سامان موجود نہیں اس لیے ان کے ہاں گریز کی کیفیت ملتی ہے۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

معانی: پاژند: ژند کی تفسیر، پارسیوں کے عقیدے کے مطابق ژند کتاب تھی جو ان کے پیغمبر و رہبر زرتشت پر اتری۔

مطلب: اے رب حقیقی اس میں کسی شک و شبہ کی گنجاءش نہیں کہ تیرے تمام احکام بر حق ہیں تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے مفسرین نے قرآنی آیات کو بھی بے جا تاویلات اور پیچیدہ مفاہم سے ان کے معانی اور مطالب کو بے معنی اور غیر فطری مباحث میں الجھا کر ان کی حیثیت ہی بدل دی ہے۔ بالفاظ دگر ان مفسرین نے قرآن کریم کو بھی پاژند بنا کر رکھ دیا ہے۔ عملاً اقبال قرآن کے بیشتر مفسرین سے غیر مطمءن اور ناخوش نظر آتے ہیں۔ ان کے متعدد اشعار اس کا ثبوت ہیں۔

فردوس جو تیرا ہے، کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

معانی: قریہ: گاؤں، بستی۔

مطلب: یارب تونے اپنے فرمانبردار اور اطاعت بندوں سے بعد وفات جو بہشت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ برحق، تاہم یہ بھی

حقیقت ہے کہ بہشت کو آج تک کسی نے بھی نہیں دیکھا جب کہ افرنگیوں کا ہر قصبہ و شہر بہشت کی مانند آراستہ ہے اور جو لوگ محض ظاہری خوبصورتی کے قاءل ہیں وہ ان سے متاثر کیوں نہیں ہوں گے؟

مدّت سے ہے آوارۂ افلاک مرا فکر
کر دے اسے اب چاند کی غاروں میں نظربند

مطلب: میری سوچ اور فکر ایک عرصے سے انتشار کا شکار ہے۔ ان کی وسعت اور بلندیوں کو کسی نے بھی قبول نہیں کیا نا ہی ان سے استفادہ کیا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تو اب میری خیالات کو چاند کے غاروں میں مقفل کر دے۔

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر مِلکوتی
خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند

مطلب: اسی حوالے سے اقبال اپنے افکار کے بارے میں یوں گویا ہیں کہ فطرت نے مجھے وہ جوہر عطا کءے ہیں جو فرشتوں میں ہوتے ہیں حالانکہ میری تخلیق تو خاک سے ہوءی ہے اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ میرا اس خاکی دنیا سے کوءی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔

درویشِ خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دِلی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند

مطلب: میں تو ایسا درویش ہوں جس کا تعلق نہ مشرق سے ہے نا ہی مغرب سے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میرا وطن نہ تو دلی نہ اصفہان اور نا ہی سمرقند ہے بلکہ تیرے عشق نے مجھے ساری دنیا سے بے تعلق کر کے رکھ دیا ہے۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے اَبلہِ مسجد ہوں ، نہ تہذیب کا فرزند

مطلب: خدایا میں تو سیدھی سچی بات اور کھری بات کرنے کا عادی ہوں۔ وہی میرا قول ہوتا ہے جسے حق پر مبنی سمجھتا ہوں۔ یہی سبب ہے کہ نہ تو میں ایسا جعلساز ہوں جس نے مسجد کو اپنی پناگاہ بنا رکھا ہے نا ہی جدید تہذیب کی مکاریوں اور منفقتوں کا قاءل ہوں۔ مطلب یہ کہ نا تو ملا کی طرح سے رجعت پسند ہوں نا ہی جدید تہذیب کا حامی کار اور اندھا مقلد ہوں۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

مطلب: یہی سبب ہے کہ میری حق گوءی کے سبب اپنے بھی مجھ سے خفا ہیں اور بیگانے لوگ بھی ناخوش ہیں کہ میں زہر کو زہر ہی اور قند کو قند ہی کہنے کا قاءل ہوں یعنی ریاکاری اور منافقت کسی مرحلے پر بھی میرے قریب سے نہیں گزری۔

مشکل ہے کہ اک بندہَ حق بین و حق اندیش
خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند

معانی: حق بیں : حق دیکھنے والا ۔ حق اندیش: حق سوچنے والا ۔ خاشاک کے تودے: راکھ کے ڈھیر۔ دماوند: ایک پہاڑ کا نام جو خراسان میں ہے ۔

مطلب: ایک ایسے سچے اور حقیقت پسند انسان کے لیے یہ امر ناممکنات میں سے ہے کہ وہ خس و خاشاک کے ڈھیر کو دماوند پہاڑ سے تشبیہ دے یعنی حقیقت سے روگردانی کرے اس طرح کے کھلے جھوٹ اور فریب کار میں روادار نہیں ہو سکتا۔

ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
میں بندۂ مومن ہوں ، نہیں دانۂ اسپند

معانی: آتش نمرود: نمرود بادشاہ کی آگ ۔ دانۂ اسپند: ہرمل کا دانہ جسے آگ میں ڈالیں تو چٹختا ہے ۔
مطلب: جس طرح حضرت ابراہیم نے نمرود کی آگ میں بھی خود کو ثابت قدم رکھا تھا یہی کیفیت میری ہے کہ زمانے کی ابتلاؤں کا بھی بڑے عزم واستقلال سے مقابلہ کر رہا ہوں ۔ اس لیے کہ میں بندۂ مومن ہوں اور کالا دانہ نہیں جسے کمزور عقیدہ خواتیں ٹونے ٹوٹکے کے لیے آگ میں پھینکتی ہیں اور وہ بلاتاخیر چیخ جاتا ہے میں تو ایسا پیکر استقامت ہوں جو ہر چھوٹی بڑی مصیبت کو برداشت کرنے کا اہل ہوتا ہوں ۔

پر سوز و نظر باز و نکوبین و کم آزار
آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند

معانی: نکوبین: نیک دیکھنے والا ۔ کم آزار: کسی کو تکلیف نہ دینے والا ۔ تہی کیسہ: خالی جیب ۔
مطلب: میرا کردار یہ ہوتا ہے کہ دل و سوز و گداز سے لبریز ہے ۔ انسان کی خوبیاں دیکھتا ہوں عیب تلاش نہیں کرتا نا ہی کسی کے لیے باعثِ آزار ہوں ۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اپنی تمام انا کے باوجود آزاد ہوں اور خود کو پابند قفس بھی محسوس کرتا ہوں اور مال وزر سے محرومی کے باوجود مطمئن اور مسرور ہوں ۔

ہر حال میں میرا دلِ بے قید ہے خرّم
کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوقِ شکر خند

معانی: خرم: خوش باش ۔ ذوقِ شکر خند: میٹھی ہنسی کا ذوق ۔
مطلب: کتنی ہی مشکلات و مصائب ہوں میرا دل تو ہر حال میں مطمئن و مسرور رہتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ کوئی کلی کے لبوں سے مسکراہٹ نہیں چھین سکتا کہ یہ تو ایک فطری صلاحیت کی مظہر ہے ۔

چپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

معانی: حضرتِ یزداں : مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ۔ بندۂ گستاخ: گستاخی کرنے والا شخص ۔ منہ بند: خاموش کرنا ۔
مطلب: اس آخری شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ یزداں کے حضور میں بھی میں خاموش نہ رہ سکا بلکہ بڑی بے باکی اور صاف گوئی کے ساتھ اپنی معروضات پیش کر دیں ۔ اس جسارت کو بے شک گستاخی پر محمول کیا جائے اور اسکے لیے جو سزا کوئی وہ بصد احترام قبول! لیکن یہ بھی تو فرز وفاداری ہے کہ محبوب کے روبرو دل کھول کر رکھ دیا جائے ۔

(1)

اعلیٰ حضرت شہید نادر شاہ غازی کے لطف و کرم سے نومبر 33ء میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی کے مزار مقدس کی زیارت نصیب ہوئی ۔ یہ چند افکار پریشاں جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے اس روز سعید کی یادگار میں سپرد قلم کئے گئے ۔ ما از پے سنائی و عطار آمدیم

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا

معانی: ما از پۓ سنائی و عطار آمدیم: ہم حکیم سنائی اور فرید الدین عطار کے بعد آئے (مولانا روم) ۔ پہنائے فطرت: قدرتی کھلی میدان ۔ سودا: جنون ۔ اندازۂ صحرا: صحرا کی وسعت کا اندازہ غلط تھا ۔
مطلب: زیر تشریح نظم بھی انھوں نے حکیم سنائی کے ایک مشہور قصیدے سے متاثر ہوکر اسی اسلوب میں تخلیق کی ہے ۔ اس کے مطلع میں اقبال کہتے ہیں کہ میرے جذبہ عشق میں اتنی شدت اور وسعت ہے کہ اگر اس کا احاطہ کیا جائے تو وہ صحرا کی لامحدود پہنائیوں میں بھی نہیں سما سکتا ۔ وہ اس شعر میں اپنی اس جذباتی کیفیت کا اظہار کرتے ہیں جو خود ان کے اپنے اندازے سے بھی کہیں زیادہ شدید ہے ۔ جنون عشق میں روایتی سطح پر صحرا ہی پناہ گاہ ہو سکتا ہے ۔ لیکن اقبال کہتے ہیں کہ میرے لیے تو وسعت صحرا بھی ناکافی ہے ۔

خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

معانی: طلسم رنگ و بو: رنگ و بو کا جادو یعنی دنیا کا جادو توڑ سکتے ہیں ۔
مطلب: کائنات کے جو رازہائے سربستہ ہیں وہ محض خودی کے توسط سے ہی منکشف ہو سکتے ہیں اگر یہ طلسم ٹوٹ جائے تو پھر ذات باری تعالیٰ کی حقیقت سامنے آجاتی ہے ۔ توحید عملاً اسی حقیقت سے ہم آہنگ ہے جسے ابھی تک فی الواقع کوئی بھی سمجھ نہیں سکا ۔

نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عینِ فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

معانی: تجلی عین فطرت: نور الٰہی فطری ہے ۔
مطلب: انسان عملاً اس حقیقت سے کلی طور پر غافل ہے کہ نور مطلق ہی دراصل فطرت کی حقیقی روح ہے ۔ جس طرح دریا اپنی موجودگی کے بغیر محض ایک ٹھہرے ہوئے پانی کا ذخیرہ بن سکتا ہے ۔ یہی کیفیت نور مطلق کے شعور کے بغیر انسان کی ہے اور بدقسمتی یہ کہ انسان ابھی تک اسی شعور سے بیگانہ ہے ۔

رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاّج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

مطلب: علم و حکمت میں مخالفت اہلِ مسجد (خطیبوں) کی غلطی ہے ۔ وہ حلاج کی سولی کو اپنا دشمن جانتا ہے یعنی ظاہری طور پر دیکھنے والے عالموں نے غلط فہمی کی بنا پر انھیں ایک دوسرے کا حریف بنا دیا ۔ اس لیے ان لوگوں نے منصور بن حلاج جس کو انا الحق کہنے کی پاداش میں سولی پر چڑھا دیا گیا تھا اپنا رقیب سمجھ لیا ۔ یعنی اس کی مخالفت میں کمر بستہ ہو گئے ۔

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں ، غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

مطلب: اس شعر میں اقبال نے ایک ایسا اہم نکتہ بیان کیا ہے جو ہمیشہ سے زیادہ آج کی صورتحال میں زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اقتدار ہو یا محکومی دونوں حالتوں میں سچے اور نیک باطن لوگ حرص و ہوس سے بے نیاز ہو کر ہی انتشار و اضطراب اور بنی نوع کے مسائل سے خود کو محفوظ رکھ سکتے ہیں یعنی استغنا ایسا عمل ہے جو ہر حالت میں انسان کو تمام مسائل و آلام سے محفوظ رکھتا ہے ۔

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آسانی عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

مطلب: اس شعر میں اقبال فرشتوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ تم ہم ایسے عمل پسند اور عشق حقیقی میں سرشار لوگوں کی تقلید کیا کرو گے کہ تمہارے نزدیک تو ہر لمحہ ذکر خداوندی، تسبیح خوانی اور عرش الٰہی کا طواف ہی کافی ہے ۔ جب کہ عشق حقیقی کی راہیں بے حد کٹھن ہیں ۔ اس حقیقت کا عرفان تمہیں ہو ہی نہیں سکتا ۔

*

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا

مطلب: اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے مابین جو تضاد ہے وہ بالکل واضح ہے ۔ عملاً اس شعر میں وہ مشرقی اور مغربی تہذیب و علوم کا موازنہ یوں کرتے ہیں کہ یہ بد قسمتی ہے کی مشرق میں بے پناہ علوم و فنون موجود ہیں لیکن ان کو وسعت دینے کی صلاحیت سے اہل مشرق محروم ہیں ۔ اس کے مقابلے میں اہل مغرب اپنے علم و فن کو وسعت دینے کی صلاحیت تو رکھتے ہیں لیکن ان علوم و فنون میں وہ روح نہیں جو انسان پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے ۔ بالفاظ دگر مغربی تہذیب و علوم راہ حق دکھانے کے بجائے صرف مادی افادیت سے ہم کنار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بس ۔

نہ ایراں میں رہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصر وکسریٰ

مطلب: جن اہل حق اور جرات مند انسانوں نے روم وایران کی سلطنتوں اور تہذیب کو اپنی حق گوئی بے باکی اور جرات و شجاعت سے خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا اب وہ شخصیتیں نہ تو ایران میں باقی ہیں نہ توران میں ۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مشرق کے اسلامی ملک اب ایسے صاحب کردار اور جانباز فرمانرواؤں سے محروم ہو چکے ہیں جن کی شان و شوکت اور دبدبہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا ۔ اب تو صورت حال یکسر بدل گئی ہے ۔

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہرا

معانی: شیخ حرم: مسجد کا مولوی ۔ گلیم بوذر: ابوذر غفاری کی چادر ۔ دَلقِ اویس: حضرت اویس قرنی کی گدی ۔ چادر زہرا: حضرت فاطمہ کی چادر ۔

مطلب: اقبال عرب ممالک کی صورت حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ وہ ممالک تھے جنہیں کعبہ کا سردار کہا جاتا تھا لیکن اب کیفیت یہ ہے کہ یہاں کے سرداروں نے ابوذر غفاری کی گدڑی ، حضرت اویس قرنی کا خرقہ اور سیدہ فاطمتہ الزہرہ سلام اللہ علیہا کی چادر تک بیچ کھائی ہے ۔ اقبال کا مفہوم یہ ہے کہ عرب کے سردار غیرت و حمیت سے محروم ہو چکے ہیں اور انھوں نے اپنے باوقار اور صاحب کردار آباء و اجداد کا ترکہ بھی داوَ پر لگا دیا ہے ۔ وہ تمام اسلامی اور انسانی خصوصیات سے محروم ہو چکے ہیں ۔ ان کے نزدیک تو عیاشی اور شکم پروری ہی سب کچھ ہے ۔ اس مقصد کے لیے وہ نچلی سے نچلی سطح تک جانے کو تیار ہیں ۔

حضورِ حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

معانی: اسرافیل: فرشتہ جو صور پھونکنے پر مقرر ہے ۔
مطلب: اس شعرمیں علامہ اقبال حضرت اسرافیل کے حوالے سے اپنی حق گوئی اور بے باکی کا ذکریوں کرتے ہیں کہ فرشتوں کو بھی اس امر کا خوف ہے کہ میری یہ صلاحتیں اور جرات مندی کہیں قیامت سے پہلے قیامت برپا نہ کر دے چنانچہ انھوں نے اس امر کی خداوند تعالیٰ کے روبرو شکایت کی ۔

ندا آئی کہ آشوبِ قیامت سے یہ کیا کم ہے
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

مطلب: اس شعر کے مطابق فرشتے کی شکایت کے جواب میں عرش معلی سے آواز آئی کہ یہ حقیقت ہی قیامت سے کیا کم ہے کہ کعبہ سے ہزاروں میل دور رہنے والے اہل چین تو عمرہ و حج کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں جب کہ خود اہل مکہ کی بے حسی کا عالم یہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کے نواحات میں خواب خرگوش میں مبتلا ہیں ۔ اقبال کے اس شعر کا دوسرا مصرعہ حکیم سنائی کے قصیدے سے اقتباس ہے ۔

لبالب شیشۂ تہذیبِ حاضر ہے مئے لا سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ اِلاّ

مطلب: مغربی تہذیب کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مغرب میں تو اب خدا کی ذات سے بھی انکار ہو رہا ہے اور کوئی اس کے احکام کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ۔ عملاً وہاں ابلیس کی حکمرانی ہے ۔ اس کے برعکس وہاں کوئی بھی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو اہل مغرب کو خدا کے وجود اور اس کے احکامات کو تسلیم کرنے پر آمادہ کر سکے ۔

دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے
بہت نیچے سروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا

معانی: زخمہ ور: ساز کو چوٹ لگانے والا ۔ تیز دستی: تیز ہاتھ نے دبا رکھا ہے ۔ بہت نیچے سروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا: یورپ کا شور و غوغا ابھی بہت مدھم ہے ۔

مطلب: افکار خداوندی اور اس کے احکامات کی عدم تکمیل کے سبب مغرب میں جو انتشار و اضطراب کا غلغلہ ہے ہرچند کی اس کو خوش آئند نعروں اور اسی نوع کی دوسری چیزوں نے عارضی طور پر دبا رکھا ہے لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر نہ چل سکے گا ۔ بالاخر اس صورت حال کا رد عمل کسی نہ کسی شکل میں واضح ہو کر سامنے آئے گا ۔

اسی دریا سے اُٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

معانی: تند جولاں: تیز چلنے والی لہر ۔ نہنگوں: مگر مچھوں ۔ نشیمن: گھر ۔ تہ و بالا: برباد ہو جاتے ہیں ۔

مطلب: ہرچند کی یورپ اس وقت بڑی طاقتوں کا مرکز ہے اس نے دنیاوی سطح پر بھی بڑی ترقی کر لی ہے لیکن آخر کار وہاں موجود تہذیب ہی ان طاقتوں کی تباہی کا سبب بنے گی ۔

*

غلامی کیا ہے ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبا

مطلب: حقیقت یہ ہے کہ اس قصیدہ نما نظم میں علامہ اقبال نے ایک سے زیادہ موضوعات کو اپنے اظہار میں پیش نظر رکھا ہے ۔ آئندہ جو تین اشعار ہیں ان میں اپنے نقطہ نظر سے غلامی او آزادی کا تجزیہ کیا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ غلامی دراصل حسن و زیبائی سے محرومی کا نام ہے ۔ اور فکر و عمل کی آزادی کے بغیر کوئی شخص بھی آزاد تصور نہیں کہا جا سکتا نا ہی اس کی رائے کو کوئی اہمیت دی جا سکتی ہے ۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا

معانی: بصیرت: عقل مندی کی نظر۔ مردانِ حر: آزاد مرد۔ بینا: دیکھنے والی آنکھ۔
مطلب: اس شعر میں بھی گزشتہ شعر کے موضوع کے تسلسل میں علامہ نے کہا ہے کہ غلاموں کی بصیرت بھی ناقابل اعتماد ہوتی ہے اس لیے کہ بصیرت تو صرف ان مردان حر کے پاس ہوتی ہے .جو بلا خوف و خطر حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے لیے اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں ۔

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

معانی: صاحب امروز: وقت کی نبض پہچاننے والا ۔ گوہرِ فردا: کل کا موتی یعنی آئندہ آنے والی نعمت ۔
مطلب: وہی آج کے عہد کا کامیاب و کامران قائد ہے .جو اپنی ہمت و صلاحیت کے بل بوتے پر مستقبل کے متوقع مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے ان سے نمٹنے کی قدرت رکھتا ہو۔ مقصد یہ کہ عہد حال میں جو کچھ آنکھوں کے سامنے عمل میں آرہا ہے اس کا اندازہ تو قریب قریب ہر سمجھدار شخص کو ہو سکتا ہے لیکن حقیقی رہنما وہی ہوتا ہے .جو اپنی دوربیں نگاہوں اور ادراک و شعور سے مستقبل میں وجود پذیر ہونے والے معاملات تک رسائی حاصل کر سکے ۔ ایسا شخص ہی اپنے دور کے علاوہ آئندہ عہد کی نسلوں کی رہنمائی کا حقدار ہو تا ہے ۔

*

فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتھر ہو گئے پانی
مری اکسیر نے شیشے کو بخشی سختیِ خارا

مطلب: مذکورہ بالا تین اشعار کے بعد اقبال پھر اپنا موضوع بدلتے ہیں ۔ ان کے مطابق اہل یورپ نے مشرق کی مستحکم اور باوقار قوتوں کو اپنی شعبدہ بازی اور مکاری کے ذریعے ان کی تمام صلاحیتوں اور قوتوں سے محروم کر رکھا ہے ۔ لیکن مجھے قدرت نے ایسی توفیق عطا کر دی ہے کہ جس کے ذریعے میں اہل مشرق میں ہمت اور مقابلے کی استطاعت پیدا کر سکوں ۔

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا

معانی: ہر چند کہ اس عہد کے فرعون میرے افکار کے شدت سے مخالف ہیں اور ہر لمحے مجھے شکست سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنے جال بچھائے رہتے ہیں لیکن جس طرح فرعون کے بالمقابل حضرت موسیٰ یدبیضا سے کام لیتے تھے اسی طرح میری افکار و عمل اور قدرت خداوندی پر اعتماد کا جذبہ میرے دشمن فراعین کے لیے یدبیضا کی سی حیثیت رکھتے ہی ۔

وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

معانی: نیستاں : بانس کا جنگل ۔
مطلب: اس مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے علامہ زیر تشریح شعر میں یوں گویا ہیں کہ میرا فکر و عمل کسی منفی قوت سے ناکارہ نہیں ہو

سکتا ۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے مشرق کی اقوام میں عزم و ہمت کی ایک نئی لہر اور جذبہ پیدا ہو جائے گا ۔ اس لیے کہ یہ قوت و صلاحیت مجھے خود ذات باری تعالیٰ نے عطا کی ہے ۔

محبت خویشتن بینی، محبت خویشتن داری
محبت آستانِ قیصر و کسریٰ سے بے پروا

مطلب: وہ عشق جو مجھے ذات رسول مقبول سے ہے وہ اپنی حقیقت کو پہچاننے میں مددگار ثابت ہوتا ہے لیکن ضروری ہے کہ اس جذبہ عشق پر قائم رہنے اور اسے برقرار رکھنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا جائے کہ یہ عشق تو قیصر و کسریٰ جیسے بادشاہوں کے آستانوں سے حاصل ہونے والی عزت و حرمت سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے ۔ مراد یہ کہ حضور سے عشق ہی وہ مقتدر جذبہ ہے جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی ۔

عجب کیا گر مہَ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سرِ خودرا

مطلب: اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ میں ارتقاء کے ان مراحل سے گزر رہا ہوں جن کی بنیاد پر چاند اور ثریا پر اپنا تسلط جما لوں تو کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ میں تو ذہن اور فطری طور پر اس بلند و بالا ہستی کے خاک پا کی حیثیت رکھتا ہوں جو نبی آخر الزماں ہے اور ازل سے ابد تک پوری کائنات میں اس کا کوئی ہمسر نہیں ۔ چنانچہ اس بلند و بالا شخصیت کے طفیل اگر میں کوئی اعلیٰ مرتبہ حاصل کر لوں تو حیرت نہیں ہونی چاہیے ۔

وہ دانائے سبل ختم الرُسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

معانی: دانائے سبل: راستے جاننے والا ۔ ختم الرسل: آخری رسول ۔ مولائے کل: تمام انسانوں کا رہنما ۔ غبارِ راہ: رستے کی دھول ۔ فروغ: ترقی، بلندی ۔ وادیِ سینا: سینا کی وادی کی عظمت ۔

مطلب: حضور مقبول کی ذات والا صفات تو عقل و دانش کی کلیت سے ہم آہنگ ہے ۔ یہی وہ ذات پاک ہے جو خداوند عزوجل تک رسائی کی ضمانت دے سکتی ہے ۔ یہ وہ ذات والا صفات ہے جس پر اس دنیا میں آنے والے انبیاء اور پیغمبروں کا سلسلہ ختم ہوا کہ وہی تو نبی آخر الزماں ہیں ۔ اور وہی اس پوری کائنات کے آقا و مولا ہیں ۔ انہی کی خاطر یہ کائنات وجود میں آئی ۔ یہی وہ ذات پاک ہے جو راستے کی گرد کو بھی کوہ طور کی تجلیوں میں ڈھالنے کی قدرت رکھتی ہے ۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

معانی: نگاہِ عشق و مستی: عشق کے معاملات ۔ وہی اول وہی آخر: وہی ابتدا ہے اور وہی انتہا ۔

مطلب: پیغمبر آخر الزماں کی عظمت بیان کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں کہ یہی ذات والا صفات ہے جو نگاہ عشق و مستی میں سب سے ارفع و اعلیٰ ہے ۔ اور اس کائنات میں جس کی تخلیق سب سے پہلے ہوئی اور جس کی شخصیت دنیا کے آخری مرحلے تک برقرار رہے گی ۔ یہی وہ ہستی ہے جو اخلاق قرآنی کا مکمل نمونہ تھی ۔ یہی ہستی قرآن بھی تھی اور اس کو یٰسین و طٰہٰ کے القابات سے یاد کیا گیا ہے ۔

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

معانی: غواصی: غوطہ زنی، یعنی گہری تلاش ۔ لولوئے لالا: قیمتی موتی ۔

مطلب: اس قصیدہ نما نظم کو تمام کرتے ہوئے آخری شعر میں علامہ فرماتے ہیں کہ حکیم سنائی کا احترام دامن گیر نہ ہوتا تو حضور ختمی

مرتبت کی شان میں اسی نعتیہ قصیدے میں جو بحر استعمال کی گئی ہے اس میں مزید اشعار تخلیق کرتا کہ حضور تو اتنی صفات کے مالک ہیں جن کا شمار انسانی فہم سے بالاتر ہے ۔

(2)

یہ کون غزل خواں ہے، پر سوز و نشاط انگیز
اندیشۂ دانا کو کرتا ہے جنوں آمیز

معانی: غزل خواں : غزل پڑھ رہا ہے ۔ پر سوز: جس میں سوز اور خوشی بھری ہوتی ہے ۔ اندیشۂ دانا: دانا کی عقل ۔ جنوں آمیز: مسرت انگیز۔

مطلب: اس غزل کے مطلع میں اقبال سوالیہ انداز میں خود اپنے بارے میں یوں گویا ہیں کہ یہ کون سخن ور ہے جس کے کلام میں سوز و گداز بھی ہے اور کیف و سرور بھی ۔ اور جن لوگوں کو اپنی دانشوری پر ناز ہے ان کی عقل پر بھی ۔ اس کلام سے ایک طرح کے جنون کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔ مراد یہ ہے کہ اس کلام میں دانشوروں کے لیے عمل کی ترغیب فراہم کی گئی ہے ۔ اس شعر میں اقبال اپنی سیرت و کردار کے حوالے سے خود ہی موجود نظر آتے ہیں ۔

گو فقر بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ
ناپختہ ہے پرویزی، بے سلطنتِ پرویز

معانی: فقر: درویشی، فقیری ۔ ملوکانہ: شاہانہ ۔ سلطنت پرویز: ایران کے آخری بادشاہ کی سلطنت ۔

مطلب: یہ درست ہے کہ فقیری اور بادشاہی دونوں میں کچھ باتیں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ فقیر بھی بادشاہ کی طرح بے نیاز ہوتا ہے تاہم دونوں کے مابین بنیادی فرق یہ ہے کہ فقیر اپنی شان و شوکت کو نمایاں کرنے کے لیے کسی حکومت یا سلطنت کا محتاج نہیں ہوتا جب کہ بادشاہی سلطنت و مملکت کے بغیر ناتمام اور بے معنی شے ہے ۔ بالفاظ دگر فقیر تو اپنی روحانی قوت سے کام لیتا ہے جب کہ بادشاہ کے پاس ہر طرح کے لاؤ و لشکر کے علاوہ ہر نوع کے ہتھیاروں کی بہتات ہوتی ہے ۔

اب حجرۂ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی
خونِ دل شیراں ہو، جس فقر کی دستاویز

معانی: حجرۂ صوفی: صوفی کی کوٹھڑی ۔ خونِ دلِ شیراں : شیروں کے دل کا خون ۔ دستاویز: سند، کتاب ۔

مطلب: اب اگر یہ کہا جائے کہ صوفی میں پہلے جیسی صلاحیت اور روحانی قوت برقرار نہیں رہی تو بے جا نہ ہو گا ورنہ ماضی میں تو صوفی اور درویش میں ایسی روحانی قوت ہوا کرتی تھی جس کے روبرو شیر بھی لرزہ براندام رہتے تھے ۔ مراد یہ ہے کہ اس عہد کا صوفی اور درویش تو فقر و غنا سے انحراف کر کے دنیاوی مال و منال کے چکر میں الجھ کر رہ گیا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں وہ روحانی قوت باقی نہیں رہی جو ہر نوع کی بڑی قوت پر بھاری ہوتی تھی ۔

اے حلقۂ درویشاں وہ مردِ خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامۂ رُستاخیز

معانی: حلقۂ درویشاں : اللہ والے لوگ ۔ رُستاخیز: طوفان کا شور ۔

مطلب: اقبال اس شعر میں استفسار کرتے ہیں کہ ذرا اس حقیقی اور سچے درویش کے متعلق تو سوچو جو اپنے سینے میں زبردست روحانی قوت رکھتا ہے ۔ ایسی روحانی قوت جو کسی بھی قوم میں انقلاب انگیز صفات پیدا کر دیتی ہے ۔ اقبال کا اس شعر میں بنیادی مقصد یہ ہے کہ اپنے عہد کے ان صوفیوں اور درویشوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ تم لوگ تو بے حسی اور بے عملی کے سبب اپنی روحانی قوت اور قدرت کی بخشی ہوئی صلاحیت کھو چکے ہو لیکن آج بھی ایسے مرد درویش موجود ہیں جو قوموں میں انقلاب کی جوت جگانے کے اہل ہیں ۔

جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز

تیزی ۔ : معانی: سرعت

مطلب: اس شعر میں اقبال اسی انقلابی درویش کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ایسا مرد حق ہوتا ہے کہ جب اس کے روبرو خالق حقیقی کا ذکر کیا جائے تو اس کے دل و دماغ جوش عقیدت میں شعلے کی طرح روشن ہو جاتے ہیں اور جب فکری سطح پر اس کا تجزیہ کرتے ہیں تو ان کا ذہن اسی سرعت سے کام کرتا ہے جس طرح برقی روتیزی سے دوڑتی ہے ۔

کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا

اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

معانی: ملوکیت: بادشاہت ۔

مطلب: یہ فطری امر ہے کہ ملوکیت میں ظلم و جبر بالاخیر ایک جنون کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ اس کے رد عمل کے طور پر تیمور و چنگیز جیسے قاہر و جابر فرمانروا پیدا ہوتے ہیں جو اس جنون کو انتہا پر پہنچا کر اعتدال پر لے آتے ہیں ۔

یوں دادِ سخن مجھ کو دیتے ہیں عراق و پارس

یہ کافرِ ہندی ہے بے تیغ و سناں خونریز

معانی: کافرِ ہندی: خود اقبال ۔ تیغ و سناں خونریز: تلوار کے بغیر جنگ کر رہا ہے

مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ نہ میرے پاس باطل کی قوتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے کوئی ہتھیار ہے نہ ہی کوئی اور وسیلہ ۔ اگر ہے تو شعر کی وہ تخلیقی قوت ہے جو شاید کسی بھی ہتھیار سے زیادہ کارآمد ہے ۔ ایران و عراق کے دانشور اسی لیے مجھے داد دینے پر مجبور ہیں کہ میں شاعری کو ہتھیار بنا کر باطل سے نبرد آزما ہوں ۔

(3)

وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں
خدا مجھے نفسِ جبرئیل دے تو کہوں

معانی: جنوں : دیوانگی ۔ نفس: سانس ۔
مطلب: عشق الہٰی کے جنون نے بقول اقبال مجھے ایسا شعور بخش دیا ہے جس کے طفیل میں ایسے رازہائے دروں پردہ سے آگاہ ہو گیا ہوں کی جن کا انکشاف خود اپنی زبان سے کیا جانا ممکن نہیں کہ اس مقصد کے لیے جبرئیل امیں جیسی صلاحیت درکار ہے ۔ جبرئیل ہی کو فرشتوں میں یہ اعزاز حاصل ہوا کہ وحی الہٰی پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد کو پہنچایا کرتے تھے ۔ اقبال کا کہنا ہے کہ جو الہامی کیفیت رازوں کی شکل میں میرے پاس محفوظ ہیں ان کے انکشاف اور ترسیل کے لیے جبرئیل جیسے کسی فرشتے کی ضرورت ہے ۔

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں

معانی: تقدیر کی خبر: قسمت کے حال کا علم ۔ فراخیِ افلاک: آسمان کی وسعت ۔ خوار و زبوں : بے وقعت ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال اپنی ذات کے حوالے سے ان نجومیوں کی کارکردگی پر طنز کرتے ہیں جو ستاروں کے حساب سے لوگوں کی تقدیر اور ان کے احوال کے بارے میں انکشافات کا دعویٰ کر کے محض مادی مفادات حاصل کرتے ہیں ۔ اقبال کا کہنا ہے کہ ستارے تو خود آسمانوں کی پہنائیوں میں سرگرداں رہتے ہیں ۔ انہیں تو خود ہی اپنے وجود کے بارے میں کسی قسم کا علم نہیں تو پھر دوسروں کے مقدر کا انکشاف ان کے ذریعے کیسے ممکن ہے ۔

حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناں گوں

معانی: حیات: زندگی ۔ مجذوبی: پاگل پن، دیوانگی ۔ خودی: اپنی پہچان ۔ اندیشہ: خیال ۔ گوناں گوں: طرح طرح کے ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال فلسفۂ حیات پر ایک سوال کے ذریعے استفسار کرتے ہیں اور خود ہی اس کا جواب بھی دیتے ہیں کہ اگر یہ پوچھا جائے کہ زندگی کی اصل حقیقت کیا ہے تو اس کا سادہ سا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ انسانی فکر اور تعقل کے مابین ارتباط ہی زندگی کے فلسفے کا مظہر ہو سکتا ہے ۔ اور فکر و تعقل کے مابین اگر یقین و اعتماد کا رشتہ موجود نہ ہو تو خود وجود انسانی اور اس کی روحانی قوت منتشر ہو کر رہ جاتی ہے ۔

عجب مزا ہے مجھے لذتِ خودی دے کر
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں

معانی: لذت: مزا ۔
مطلب: یہ کس قدر دلچسپ معاملہ ہے کہ حق تعالیٰ نے خود ہی مجھے وہ صلاحیت عطا کی ہے کہ اپنی ذات اور اپنے وجود کو شناخت کر سکوں ۔ اس کے بعد یہ امر کس قدر عجیب و غریب ہے کہ مجھ سے یہ بھی توقع کی جاتی ہے کہ اپنی ذات اور اپنے وجود کو فراموش کر بیٹھوں ۔ اقبال کے پیش نظر یہ حقیقت ہے کہ خدائے عزوجل نے ہی انہیں یہ اہلیت عطا کی ہے کہ وہ اپنی ذات کی حقیقت سے آگاہ ہوں ۔ اس کے ساتھ ہی وہ یعنی خدا اس امر کا بھی خواہاں ہے کہ اپنے وجود سے بے نیاز ہو کر بھی اس کی محبت اور چاہت میں گم ہو جاؤں یعنی اپنی شخصیت کو بھی بھول جاؤں ۔

ضمیرِ پاک و نگاہِ بلند و مستیِ شوق
نہ مال و دولتِ قاروں، نہ فکرِ افلاطوں

معانی: ضمیرِ پاک: پاکیزہ دل ۔ نگاہ بلند: اونچی نظر۔ مستی شوق: شوق کی بے نیازی ۔ مال و دولت: خزانہ ۔ فکرِ افلاطوں: افلاطون کی بلند سوچ ۔

مطلب: حالانکہ میرا ضمیر ہر نوع کے لہو ولعب سے پاک ہے اور عشق الہیٰ کے علاوہ اپنی فکری سطح کو بھی بلند رکھتا ہوں ان کے علاوہ نہ تو یہ خواہش ہے کہ قارون کی طرح مال و دولت حاصل کروں نا ہی افلاطون کی طرح رعونت کا قائل ہوں ۔ میں تو ہر طرح سے ان لوازم سے بے نیاز ہوں ۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفی سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

معانی: عالمِ بشریت: انسان کا جہان ۔

مطلب: حضور پاک جس طرح شب معراج عالم بالا پر تشریف لے گئے اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عالم افلاک انسانی دسترس سے باہر نہیں ہے بشرطیکہ انسان میں صلاحیت اور ایسی علمیت موجود ہو جو اس مقصد کے لیے ضروری ہے ۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکوں

معانی: ناتمام: نامکمل ۔ دمادم: لگاتار۔ صدائے کن فیکوں: پیدا ہو جا کی آواز ۔ قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنے چاہے کن فرما دیتا ہے اور وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے ۔

مطلب: خدائے عزوجل نے ایک لفظ کن کے ذریعے کائنات کو تخلیق کیا ۔ آج تک کانوں میں یہی لفظ بار بار گونج رہا ہے ۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ کائنات ابھی تک ناتمام ہے اور پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی ۔

علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

معانی: آتش رومی: مراد رومی کا علم و فکر ۔ خرد: عقل ۔ فرنگیوں : انگریزوں ۔ فسوں : جادو ۔
مطلب: آج کے انسان سے مخاطب ہو کر علامہ اقبال کہتے ہیں کہ تیرے مسائل محض اسی صورت میں حل ہو سکتے ہیں کہ تجھ میں مولانا روم کا سوز و ساز پیدا ہو جائے لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ تو مغرب کے افسوں کا شکار ہے اور اس سے ہی تیرا ذہن مفلوج ہو کر رہ گیا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ انسان مغرب کی تہذیب سے اس قدر مسحور ہے کہ مولانا روم کی تعلیمات کو فراموش کر بیٹھا ہے ۔ عملاً یہ خطاب اقبال کا مسلمانوں سے ہے ۔

اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اُسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں

معانی: سبو: مٹکے ۔ جیحوں : دریائے جیحوں ۔
مطلب: حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ یہ مولانا روم کی تعلیمات کا فیض ہی ہے جس سے میرے (اقبال) دل و دماغ روشن ہیں اور شعور میں وسعت پیدا ہوئی ہے ۔ مولانا کے علم و عرفاں کے طفیل ہی میرے علم و دانش میں اضافہ ہوا ہے اور سب چیزوں کو ان کے اصل روپ میں دیکھنے کے قابل ہو سکا ہوں ۔

(4)

عالمِ آب و خاک و باد، سرِ عیاں ہے تو کہ میں
وہ جو نظر سے ہے نہاں اس کا جہاں ہے تو کہ میں

معانی: آب و خاک: پانی اور مٹی، مراد دنیا ۔ سرِ عیاں : بھید جو ظاہر ہو ۔
مطلب: یہ نظم فی الواقع کائنات اور انسان کی صفات کے مابین ایک تقابلی جائزے کی حیثیت رکھتی ہے جس کے ابتدائی شعر میں اقبال نے کائنات کو محض پانی، مٹی اور ہوا کا مرکب قرار دیتے ہوئے انسانی صفات کو خالق حقیقی کے ایک ایسے بھید سے تعبیر کیا ہے جو سب پر عیاں ہے ۔ اسی حوالے سے انھوں نے فرمایا ہے کہ اے دنیا یہ تو بتا جو خالق حقیقی ہے وہ میرے دل میں موجود رہتا ہے یا تجھ میں مراد یہ کہ تجھے تو اس کا ادراک بھی نہیں جب کہ انسان کے لیے تو وہ سب کچھ ہے ۔

وہ شبِ درد و سوز و غم کہتے ہیں زندگی جسے
اس کی سحر ہے تو کہ میں اس کی اذاں ہے تو کہ میں

معانی: درد و سوز: غم اور تپش، تکلیفیں ۔ سحر: صبح ۔ اذان: آواز ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال نے ظہور آدم اور اس کے وجود میں آنے کے بعد جو صورت حال پیش آئی اس کے بارے میں بڑے علامتی انداز میں بات کی ہے کہ ظہور آدم سے قبل تو تاریکی ہی تاریکی تھی جب کہ وہ کائنات میں وارد ہوا تو ہر سمت اس کے شعور کی روشنی پھیل گئی سو فی الواقع یہ انسان ہی ہے جو صبح کی اذان کی طرح منظر پر نمودار ہوا اور جس نے کائنات کی تخلیق کا مقصد واضح کر کے ایک ایسے شعور کو جنم دیا جس کے سبب اپنی ذات کے ساتھ کائنات کی شناخت بھی ممکن ہوئی جب کہ انسان کے بغیر تو یہ کائنات ایک تاریک شب کے مانند تھی ۔

کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں گرم سیر
شانۂ روزگار پر بارِ گراں ہے تو کہ میں

معانی: نمود: ظاہر ہوگیا ۔ شام و سحر: صبح اور شام ۔ گرم سیر: مصروف ۔ شانۂ روزگار: دنیا ۔ بارِ گراں : بوجھ ۔
مطلب: ہرچند کہ انسان نے ارتقاء کا جو عمل شروع کیا ہے وہ ابھی تک تکمیل پذیر نہیں ہو سکا اس لیے کہ کائنات کے جملہ مادی عناصر دیکھا جائے تو اس کی راہ میں حائل ہیں ۔ کائنات میں شب و روز کی جو گردش جاری ہے وہ اسی لیے کہ خود انسان بھی ابھی اپنی تکمیل کے مرحلے میں ہے ۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ سطور بالا کے مطابق انسانی ارتقاء کے عمل میں یہی مادی عناصر رکاوٹ بنے ہوئے ہیں ۔

تو کفِ خاک و بے بصر، میں کفِ خاک و خودنگر
کشتِ وجود کے لیے آبِ رواں ہے تو کہ میں

معانی: بے بصر: اندھا ۔ خودنگر: اپنے آپ کو پہچاننے والا ۔ کشتِ وجود: وجود کی کھیتی ۔ آبِ رواں : چلتا پانی ۔
مطلب: اس شعر میں بھی اقبال پانی ، مٹی اور ہوا جیسے عناصر سے ترتیب پانے والی دنیا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تو تو یقیناً ایک مشت خاک کے سوا اور کچھ نہیں کہ جس میں نہ شعور موجود ہے نہ ادراک ! جب کہ میں وہ شخصیت ہوں جس میں بصیرت بھی موجود ہے اور بصارت بھی ۔ جو اپنی حقیقتوں سے بھی پوری طرح آشنا ہے اور تیری اصلیت سے بھی آگاہی رکھتا ہے ۔ اس صورت میں اگر میں یہ استفسار کروں تو غیر مناسب نہ ہو گا کہ حیات میں جو تازگی اور تراوٹ کے علاوہ ارتقاء کا عمل جاری و ساری ہے اس کی وجہ کون ہے تو یا میں اس سوال کا جواب یقیناً میرے حق میں ہو گا ۔

(5)

(لندن میں لکھے گئے)

تو ابھی رہ گزر میں ہے قیدِ مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر، پارس و شام سے گزر

معانی: رہ گزر: راستہ سے گزرنے والا ۔ قیدِ مقام: ٹھہرنے کی قید۔
مطلب: ان اشعار میں انھوں نے اپنے خصوصی انداز میں دنیا بھر کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ تم لوگ تو ابھی تک ناآشنائے منزل ہو۔ ابھی تک راستے میں ہی بھٹک رہے ہو۔ لہذا اگر اپنے مقصد کی تکمیل کرتے ہوئے منزل تک پہنچنے کے خواہاں ہو تو پھر یہ مصر و حجاز اور ایران و شام کی حدود سے آگے بڑھنا ہو گا کہ مسلمان کے لیے یہ جغرافیائی حدیں بے معنی شے ہیں ۔ عملاً یہ جغرافیائی حدود کا تصور تو یہاں یورپی تہذیب کی درآمدات میں سے ہے جب کہ مسلمان کی تو ایک ہی قومیت ہے وہ خواہ عرب میں بود و باش رکھتا ہو یا عجم ! بہرحال مسلمان ہے اور اس کی قومیت مشترک ہے ۔

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر

معانی: حور و خیام: بہشتی حسینائیں اور ان کے خیمے ۔ بادہ و جام: شراب اور شراب کا پیالہ ۔
مطلب: اس شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ جو شخص سیرت و کردار کے حوالے سے بے غرض اور حرص و ہوس سے دور ہو گا خداوند قدوس اس کو خصوصی طور پر اس عمل کی جزا دیتا ہے ۔ لہذا ضروری ہے کہ بہشت تک رسائی کے لیے حور و غلماں اور شراب طہورہ

کے خیال سے بے نیاز ہو کر نیک نیتی کے ساتھ اپنے عمل میں مصروف رہا جائے کہ اس نوعیت کا عمل تو ہر قسم کی جزا سے بلند ہے ۔

گرچہ ہے دل کشا بہت حسنِ فرنگ کی بہار
طائرک بلند بال دانہ و دام سے گزر

معانی: حسنِ فرنگ: انگریزی چمک دمک ۔ طائرک بلند بال: چھوٹا پرندہ جو بلند اڑتا ہے ۔ دانہ و دام: دانہ اور جال، یعنی ظاہری چمک دمک ۔

مطلب: ہرچند کہ مغرب کا حسن اور وہاں کی تہذیب ظاہری سطح پر مسرت بخش ہوتی ہے لیکن یہ چیزیں تو عملاً ایک جال کے مانند ہیں جس میں بھولے بھالے انسانوں کو پھانسا جاتا ہے ۔ یہاں بھی اقبال مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تمہاری سیرت و کردار تو بڑے بلند مقاصد کے آئینہ دار ہیں لہذا تمہارے لیے یہ امر ناگزیر ہے کہ مغرب کے حسن برہنہ اور تہذیب سے دور رہو ۔

کوہ شگاف تیری ضرب، تجھ سے کشادِ شرق و غرب
تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے گزر

معانی: کوہ شگاف: پہاڑ توڑنے کو پھاڑنے والی ۔ ضرب: چوٹ ۔ کشاد: کھولنا ۔ تیغ: تلوار ۔ ہلال: پہلے دن کا چاند ۔ عیشِ نیام: غلاف کا عیش، یعنی آرام طلبی ۔

مطلب: تیری ضرب لا الہٰ تو پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے اور تجھ میں ایسی صلاحیت بھی موجود ہے جو مشرق و مغرب کے عقدے کھول دے اور ان کے مسائل حل کر دے ۔ اے مسلمان! تیرے لیے لازم ہے کہ جس طرح ہلالی تیغ دشمن کی صفوں کو کاٹتی چلی جاتی ہے اسی طرح اپنے عمل سے تمام معاملات کو سلجھا کر رکھ دے ۔

تیرا امام بے حضور ، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر ، ایسے امام سے گزر

معانی: بے حضور: غیر حاضر ۔ بے سرور: بے لذت ۔ گزر: چھوڑ دے ۔

مطلب: اس میں شک نہیں کہ اس شعر میں بھی اقبال مسلمان سے مخاطب ہیں لیکن یہاں ان کا لہجہ خاصا تند و تیز ہے ۔ فرماتے ہیں کہ تو جس امام کی قیادت میں خدائے عزوجل کے حضور میں سجدہ ریز ہو رہا ہے اس امام کو تو خود بھی حضوری کا درجہ حاصل نہیں کہ اس کی نیت اور عمل منافقانہ ہے ۔ اسی سبب تیری نماز بھی بے کیف ہو کر رہ گئی ہے چنانچہ تیرے لیے مناسب یہی ہے کہ ایسے بے کیف سجدوں اور اس طرح کے بے عمل اور منافق امام کی قیادت سے دستبردار ہو جا ۔ مراد یہ ہے کہ جب راہ نما خود ہی بے عمل اور بد دیانت ہوں تو ایسے لوگوں کی قیادت کو تسلیم نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان سے گریز کرنا چاہیے ۔

(6)

امینِ راز ہے مردانِ حر کی درویشی
کہ جبرئیل سے ہے اس کو نسبتِ خویشی

معانی: امینِ راز: راز کا محافظ ۔ مردانِ حر: آزاد مسلمان ۔ نسبت خویشی: اپنائیت ۔
مطلب: سچے اور آزاد منش انسان حق تعالیٰ کے رازوں کے اپنی درویش طبعی کے باوجود جبرئیل امیں کی طرح امانت دار ہوتے ہیں مراد یہ ہے کہ جس طرح جبرئیل امیں احکامات الہٰی پوری دیانتداری کے ساتھ انبیاء کرام تک پہنچایا کرتے تھے اسی طرح یہ درویش صفت لوگ خدائے عزوجل کے احکامات تمام لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور دیانت داری کے ساتھ ان کی رہنمائی کرتے ہیں ۔ دیکھا جائے تو ان کے اور جبرئیل امیں کے مابین یہی ایک رشتہ ہے ۔

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

معانی: سفینے: کشتیاں ۔ ناخوش اندیشی: اچھی بات نہ سوچنا ۔
مطلب: دیکھا جائے تو یہ شعر بھی پہلے شعر کا تسلسل ہے جس میں کہا گیا ہے ایسے فقیہ، صوفی اور شاعر جو منافقانہ روش کے حامل ہیں انھوں نے نہ جانے اپنی دنیا داری اور غلط روش سے کتنے لوگوں کو گمراہ کیا ہے اور تباہی کے غار میں دھکیلا ہے ۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ لوگ اپنے علم و فضل اور دانش سے عوام الناس کی رہنمائی کرتے لیکن اپنی بے عملی اور منافقت کے باعث یہ لوگ تو خود ہی گمراہ ہو کر رہ گئے ہیں ۔

نگاہِ گرم کہ شیروں کے جس سے ہوش اڑ جائیں
نہ آہِ سرد کہ ہے گوسفندی و میشی

معانی: نگاہِ گرم: تیز نظر۔ آہِ سرد: ٹھنڈی سانس۔ گوسفندی و میشی: بھیڑ کی طرح بزدلی۔
مطلب: قوموں کی حقیقی رہنمائی کے لیے تو ایسے سچے جذبوں اور اصولوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کو سرگرم عمل کر کے شیر کی سی توانائی اور قوت عطا کرتے ہیں۔ ایسے جذبوں کی نہیں جو قوموں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بزدل بنا کر رکھ دے۔

طبیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

معانی: آرزو کی بے نیشی: خواہش کی چبھن۔
مطلب: اس شعر میں اقبال ان لوگوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو جذب و عمل سے محروم ہیں۔ اقبال اس صورت حال کو ایک مخصوص قسم کے مرض سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس مرض کا علاج بھی تجویز کرتے ہیں کہ ملت میں عمل کی سربلندی کا جذبہ ہی ایک صحت مند معاشرہ تشکیل دے سکتا ہے۔

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جانِ پاک جسے
یہ رنگ و نم، یہ لہو، آب و ناں کی ہے بیشی

معانی: جانِ پاک: پاک جان، پرہیزگار۔ رنگ و نم: چہرے کی ظاہری چمک۔ آب و ناں: پانی روٹی، کھانا پینا۔ بیشی: زیادتی۔
مطلب: اعلیٰ مقاصد اور ان کے تکمیل کے لیے جس جوش و جذبے کی ضرورت ہے اس کے بغیر انسان سرخرو نہیں ہو سکتا۔ محض

بلانوشی سے انسانی جسم کی پرورش نہیں ہوتی بلکہ اس مقصد کے لیے تو وہ خصوصیات درکار ہیں جو جسم کے ساتھ ساتھ روح میں بھی پاکیزگی کا عنصر پیدا کریں ۔ مراد یہ ہے کہ ظاہر نمود و نمائش بے معنی چیزہیں اصل حقیقت تو انسان کے اندر کی پاکیزگی ہے ۔

(7)

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن

معانی: چراغ لالہ: لالہ کی روشنی ۔ کوہ و دمن: پہاڑ او وادی ۔ نغموں پہ اکسانا: شعر کہنے کی ترغیب دینا ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال فرماتے ہیں کہ موسم بہار آگیا ہے اور لالے کے پھول اپنے رنگ و روپ سے پہاڑوں اور ٹیلوں کو تابانی بخش رہے ہیں ۔ باغوں میں پرندے مسرت و انبساط سے اس طرح چہک رہے ہیں کہ میں خود جھوم اٹھا ہوں اور اس منظر کے اثرات مجھے نغمہ گری پر اکسانے لگے ہیں ۔

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

مطلب: بہار کا موسم پورے جوبن پر ہے ۔ باغات تو الگ رہے جنگل میں بھی رنگ برنگے پھول اس طرح سے کھلے ہوئے ہیں کہ جن کو دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ پریاں قطار اندر قطار باندھے کھڑی ہیں ۔

برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

معانی: موتی: قطرہ ۔ بادِ صبح: صبح کی ہوا ۔ کرن: سورج کی شعاع ۔
مطلب: پھولوں کی پتیوں پر شبنم کے قطروں کو رقصاں دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں صبح کی ہوا نے پھولوں پر ایک

موتی کی طرح سجا دیا ہے اور سورج کی کرنیں جب اس موتی پر پڑ کر اس کی آب و تاب میں اضافہ کرتی ہیں تو یہ منظر اور زیادہ خوشنما ہو جاتا ہے ۔

حسنِ بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

معانی: بے نقابی: بغیر پردے کے ۔ بن: جنگل ۔

مطلب: خدائے عزوجل تو اس امر سے قطعی بے نیاز ہے کہ اس کے مظاہر کی کس مقام پر زیادہ پذیرائی ہوتی ہے ۔ اس کے لیے شہر اور جنگل کی کوئی قید نہیں بس اس کے نزدیک تو یہ حقیقت ہے کہ اپنے مظاہر کی نقاب کشائی کے لیے اگر شہروں کی بجائے صحرا کا انتخاب کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ شہر کے مقابلے میں صحرا کی حیثیت زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے ۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن ، اپنا تو بن

مطلب: اس شعر میں اقبال انسان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اگر تو میری بات تسلیم کرنے پر تیار نہیں تو اپنے باطن میں جھانک کر ہی زندگی کی حقیقتوں کا ادراک کر لے کہ زندگی اپنی تمام تر حقیقتوں کے ساتھ انسان کے باطن میں پوشیدہ رہتی ہے اور انسان کو اس حقیقت کا مکمل ادراک ہونا چاہیے ۔

من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی، جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا، سود و سودا ، مکر و فن

مطلب: اس شعر میں اقبال فلسفۂ خودی کو بالکل ایک نئے انداز میں پیش کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی وہ جذبۂ عشق و مستی کے علاوہ انسانی فطرت کے دونوں پہلوؤں نیکی اور بدی کا جائزہ بھی لیتے ہیں چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ ایک جانب تو انسان باطنی سطح پر جذب و مستی اور عشق حقیقی سے ہم آہنگ رہتا ہے جب کہ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ذاتی مفاد کے لیے وہ ہر نوع کے مکر و فن کے مراحل سے گزرنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتا ۔ اقبال اس شعر میں انسانی کردار کے ان دونوں پہلوؤں کو خیر و شر کے آئینے میں دیکھتے ہیں ۔

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن، جاتا ہے دھن

مطلب: اقبال کے مطابق انسان کو باطنی سطح پر قلبی سکون میسر آجائے تو پھر اس کو ختم نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ تو ایسی نعمت ہے جو ضائع نہیں ہوتی جب کہ مادی اور جسمانی سطح پر حاصل ہونے والی دولت اور قوت تو ڈھلتی پھرتی چھاؤں کے مانند ہے ۔ اس کو کسی طور پر بھی پائیداری حاصل نہیں ہوتی ۔

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

معانی: افرنگی کا راج: انگریز کی حکومت ۔ شیخ و برہمن: مولوی اور پنڈت ۔
مطلب: اقبال من کی دنیا کو ایسی ریاست سے تعبیر کرتے ہیں جہاں مغربی استعمار کا تسلط بھی کسی طور پر ممکن نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں تو شیخ اور برہمن کے تضادات پر مبنی رویوں کی گنجائش نہیں ہے ۔ مراد یہ کہ من کی دنیا ایسی پاکیزہ اور شفاف دنیا ہے جہاں مفاد پرست، منافقت اور ریاکاری کا شائبہ تک نہیں ہے ۔ یہ جہاں مغربی استعمار کی مکاری اور فریبی سیاست سے دور ہے وہاں شیخ اور برہمن کے گمراہ کن نظریات بھی نہیں ہیں ۔

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

مطلب: اپنی بات کو تمام کرتے ہوئے نظم کے اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ اس ضمن میں مجھے تو ایک مرد قلندر کا قول شرمسار کر گیا کہ اپنی خودی کو چھوڑ کر اگر تو کسی کے روبرو جھک گیا تو جان لے کہ تیرے پاس نہ تو روحانی سکون کی دولت باقی رہے گی نا ہی دوسرے مادی فوائد برقرار رہیں گے ۔

(8)

(کابل میں لکھے گئے)

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروّت حسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

معانی: دل نوازی: دل موہ لینے کا طریقہ ہے ۔ مروت: احسان ۔ حسن: خوبی ۔ مردانِ غازی: اللہ کی راہ میں لڑنے والے ۔
مطلب: اس نظم میں اقبال نے فرمایا کہ مسلمان کی یہ فطرت ہے اور یہ خصوصیت اس کے لہو میں شامل ہے کہ ہر شخص کے ساتھ خلوص و محبت کے ساتھ پیش آئے ۔ یہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی ہر فرد کے ساتھ مروت سے پیش آنا اس کا نصب العین ہے ۔ اور یہی ان لوگوں کا طرز عمل ہوتا ہے جو راہ حق میں جہاد کرتے ہیں ۔

شکایت ہے مجھے یارب ! خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

معانی: خداوندانِ مکتب: سکولوں اور کالجوں کے سرپرست ۔ خاکبازی: بزدلانہ تعلیم ۔
مطلب: اقبال درسگاہوں کے معلمین کے بارے میں خداوند تعالیٰ سے شکوہ کناں ہیں کہ یہ لوگ شہبازوں کو ایسا سبق دے رہے ہیں جو انہیں پستی میں دھکیل رہا ہے ۔ بالفاظ دگر اقبال مالک حقیقی سے مخاطب ہوتے ہوئے مروجہ نظام تعلیم اور اس سے متعلق کارپردازاں کی نا اہلی کی شکایت کرتے ہیں کہ وہ عملاً مسلمان بچوں کو پستی کی طرف لے جا رہا ہے ۔

بہت مدت کے نخچیروں کا اندازِ نگہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ شاہبازی کا

معانی: نخچیروں : قیدیوں ۔ نگہ : نظر ۔ فاش کر ڈالا : کھول دیا ۔
مطلب: وہ لوگ جو صدیوں سے ظلم و جبر کا شکار تھے ان میں بیداری کی لہر ابھر رہی ہے اس لیے کہ میں نے اپنی نوائے فکر سے ان کے لہو کو گرما دیا ہے ۔

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہِ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

معانی: حرفِ لا الہ : لا الہ کا ذکر ۔
مطلب: مجھ ایسے درویش و قلندر کے پاس تو لفظ لا الہٰ کے سوا اور کچھ بھی نہیں جب کہ فقیہ شہر عربی زبان کی بھاری بھرکم لغت کا حافظ ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تقریروں میں انتہائی ثقیل اور ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جو کہ عوام الناس کی فہم سے بالاتر ہوتے ہیں ۔ اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ سننے والا اس کی مبہم تقریروں سے مرعوب ہو کر رہ جائیں ۔

حدیثِ بادہ و مینا و جام آتی نہیں مجھ کو
نہ کر خارا شگافوں سے تقاضا شیشہ سازی کا

معانی: حدیث بادہ و مینا: شراب کی باتیں ۔ خارا شگاف: پتھر توڑ دینے والے ۔ شیشہ سازی: شیشہ بنانا ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ عام شعراء کی مانند میں گل و بلبل اور جام و شراب کے ذکر تک محدود نہیں رہتا بلکہ میری شاعری میں تو ایسے افکار ہوتے ہیں جو حقیقت پسندی پر مبنی ہوں اور قوم کی ترقی و تعمیر میں ممد و معاون ہوں ۔ اگر ان کے اظہار میں میرا لہجہ تلخ ہو جاتا ہے تو یہ ایک فطری بات ہے عربی زبان کا یہ مقولہ میرے پیش نظر رہتا ہے کہ الحق مرہ یعنی سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے سو اگر سچائی کے اظہار میں میرا شعری لہجہ بھی تلخ ہو جائے تو اس میں حیرت نہیں ہونی چاہیے ۔ چنانچہ مجھ سے ایسے اشعار کی توقع ہی کیوں کی جائے جن کا مقصد محض ذہنی عیاشی کے علاوہ تصنع اور بناوٹ ہو ۔

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا پادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

معانی: درویشی: بے نیازی ۔ چرچا: ذکر ۔ پادشاہوں : بادشاہوں ۔

مطلب: اس نظم کے مقطع میں اقبال کہتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی اس امر پر یقینا حیرت ہوتی ہے کہ میں نے یہ بے نیازی اور درویشی کہاں سے سیکھی کہ میں اظہار حقیقت کے دوران کسی بادشاہ کی پروا بھی نہیں کرتا اور مجھے سچ کہنے میں کسی لمحے بھی دریغ نہیں ہوتا ۔

(9)

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دم بہ دم

معانی: نوا: آواز ۔ زیروبم: بلندی اور پستی ۔ سوزِ دم بہ دم: لگاتار جوش ۔
مطلب: یہ جذبہ عشق ہی ہے جس کے سبب زندگی میں جوش و خروش پیدا ہوتا ہے اور قوت عمل برقرار رہتی ہے ۔ حالانکہ انسان تو محض مٹی کا پتلا ہے جب کہ جذبہ عشق نے اس مٹی کے پتلے میں سوز و گداز اور زندہ رہنے کی خواہش کر جنم دیا ہے ۔

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

معانی: بادِ سحر گاہی کا نم: صبح کی شبنم ۔
مطلب: عشق ہی وہ جذبہ ہے جو انسان کے دل و دماغ، ضمیر اور روح حتیٰ کہ جسم کے ریشے ریشے میں سما جانے کی اس طرح صلاحیت رکھتا ہے جس طرح صبح کی تازہ اور جاں بخش ہوا سے پیدا شدہ نمی شاخ گل میں سما جاتی ہے ۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

معانی: رازق: رزق دینے والا یعنی اللہ تعالیٰ ۔ محتاجِ ملوک: بادشاہوں کا محتاج ۔ گدا: فقیر ۔ دار و جم: ایران کے دو بادشاہ ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ انسان میں اپنے رزق دینے والے کو شناخت کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ بادشاہوں کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے اور یہی سمجھتا ہے کہ اس کے رزاق دراصل بادشاہ ہی ہیں ۔ لیکن جو شخص پیدا کرنے والے کی ذات سے آگاہی رکھتا ہے تو

دارا اور جم جیسے فرمانروا بھی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے یعنی اصل چیز ذات الٰہی سے رابطہ ہے اور اس رابطے کا عرفان ہے ۔

دل کی آزادی شہنشاہی ، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

معانی: شہنشاہی: بادشاہی ۔ شکم: پیٹ ۔
مطلب: اقبال اس شعر میں دل و ضمیر کی آزادی کو شہنشاہی پر بھی ترجیح دیتے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر انسان کا دل آزاد ہے تو اس کا مرتبہ شہنشاہوں سے بھی بڑھ کر ہے ۔ اور غیر از خدا رزق کی طلب اس کے لیے بدترین قسم کی غلامی کے مانند ہے ۔ چنانچہ اس ضمن میں خداوند تعالیٰ نے انسان کو اس امر کا اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنی بھلائی کے لیے آزادی کا خواہاں ہے یا غلامی کا ۔

اے مسلماں ! اپنے دل سے پوچھ ملاّ سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

معانی: ہوگیا خالی حرم: یعنی مسلمان عمل سے محروم ہوگئے ۔
مطلب: مسلمان سے خطاب کرتے ہوئے اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ کسی ملا مولوی کے بجائے خود اپنے دل سے اس امر کی آگاہی حاصل کر کہ حرم کعبہ اب قادر مطلق کے سچے بندوں سے کیوں محروم ہوگیا ہے ۔ اب تو وہاں اکثریت ایسے لوگوں کی موجود ہوتی ہے جن کا کاروبار منافقت ہے

(10)

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

معانی: سوز: تپش، مراد ایمان ۔ بے باک: بے خوف ۔
مطلب: مسلمانوں میں اس لیے جرات اظہار اور ہمت کی کمی ہے کہ وہ سوز عشق سے بھی محروم ہیں اور ان کی نظریں بھی شفاف اور حقیقت شناس نہیں ۔ بالفاظ دگر اس مسئلے پر کسی حیرت کی گنجائش نہیں کہ جب انسان عشق حقیقی سے محروم ہو کر مادی آلائشوں میں گھر کر رہ جائے تو وہ فطری امر ہے کہ اس میں جرات و ہمت باقی نہیں رہتی اور وہ محض ذاتی اغراض اور مصلحتوں کا شکار ہو کر بزدل بن جاتا ہے ۔

ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل! تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

معانی: ذوقِ تجلی: چمکنے کا شوق ۔ ادراک: سمجھ بوجھ ۔
مطلب: یہ درست ہے کہ فہم و ادراک بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں لیکن عشق حقیقی کی تجلی کے بغیر فہم و ادراک کی کوئی حیثیت نہیں رہتی ۔ یہ ساری حقیقتیں اور جذبے مربوط ہو کر انسان کو انسان بناتے ہیں ۔

وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن
پرکار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

معانی: وہ لوگ جو مغربی تہذیب کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں وہ فی الواقع غلط فہمی کا شکار ہیں اس لیے کہ مغربی تہذیبی چالاکی، مکاری اور اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل کے لیے تو مواقع فراہم کرتی ہے لیکن اس وقت تک انسان کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ عشق حقیقی سے آشنا نہ ہو اور اس کا دل سوز و گداز سے محروم ہو۔

کیا صوفی و ملّا کو خبر میرے جنوں کی
اُن کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

مطلب: اقبال فرماتے ہیں کہ صوفی ملا تو ذات الہٰی کے عرفان اور عشق حقیقی سے یکسر محروم ہو چکے ہیں ۔ ملت اسلامیہ کو جو مسائل درپیش ہیں اور جن خطرات میں مسلمان گرفتار ہیں یہ بے حس اور نافہم لوگ اس صورت حال کا ادراک نہیں رکھتے پھر وہ میری قلبی کیفیت سے کس طرح آگاہ ہو سکتے ہیں ۔ وہ تو مادی مفادات کے حصول میں مصروف ہیں ۔ قوم کو آپس میں چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھانا ان کا کام ہے ۔ ملت کی تعمیر و ترقی کے لیے تو قربانی دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور جذبۂ قربانی سے ان کا دل یکسر خالی ہے ۔

کب تک رہے محکومیِ انجم میں مری خاک
یا میں نہیں ، یا گردشِ افلاک نہیں ہے

معانی: محکومیِ انجم: تاروں کی غلامی ۔

مطلب: نجوم اور گردش افلاک کے زیر اثر رہنے کی علامتوں کے حوالے سے اقبال نے اس شعر میں دراصل غیروں کی غلامی اور اس سے آزادی کے مسئلے پر بات کی ہے ۔ جن دنوں یہ اشعار کہتے تھے تو ہندوستان انگریز کا غلام تھا اور اس کے جبر و استبداد سے رہائی کے لیے یہاں مختلف حلقوں سے آزادی کی تحریکوں کا آغاز ہو چکا تھا ۔ علامہ نے اسی پس منظر میں یہ شعر کہا ہے کہ اب تو نوبت اس مرحلے پر آپہنچی ہے کہ یا تو اہل وطن خود کو ختم کر لیں یا پھر انگریز کو ختم کر دیں ۔

بجلی ہوں نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری
میرے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے

معانی: کوہ و بیاباں : پہاڑ اور جنگل ۔ خس و خاشاک: کوڑا کرکٹ ۔

مطلب: اس شعر میں وہ فرماتے ہیں کہ میں تو ایک ایسی برق کے مانند ہوں جو جنگل ، چٹانوں اور پہاڑوں پر گر کر ان کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے ۔ محض کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو جلانا میرا مسلک نہیں ۔ مراد یہ ہے کہ انتقام لینا ہو تو بڑی قوت رکھنے والوں سے لو ۔ معمولی اور مسکین لوگوں سے تصادم تو بے معنی سی بات ہے کمزور لوگوں کے خلاف کوئی اقدام، حوصلہ مند لوگوں کا مسلک نہیں ۔

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

مطلب: یہ کائنات تو محض ایسے مومن کی میراث ہے جو اپنی جان پر کھیل جانے کا حوصلہ رکھتا ہے اور مومن کی تعریف یہ ہے کہ جو حضور پیغمبر اسلام کے اسوہ حسنہ سے قلب و روح کو منور کرے اور اس طرح وہ مقام لولاک کا فیضان حاصل کر لے ۔ وضاحت کے لیے یہاں ایک حدیث قدسی کا ذکر ناگزیر ہے جس کے مطابق ارشاد باری تعالیٰ ہے لولاک لما خلقت افلاک، یعنی اے محمد اگر تو نہ ہوتا تو میں یہ آسمان ہی پیدا نہ کرتا ۔ اس شعر میں جو پس منظر ہے وہ عملاً مومن کی تعریف اور اس کے مقام سے مطابقت رکھتا ہے ۔ مراد یہ کہ مومن نہ صرف یہ کہ جانباز و حوصلہ مند ہوتا ہے بلکہ رسول مقبول کی تعلیمات سے اس کا سینہ بھی روشن ہوتا ہے ۔

(11)

ہزار خوف ہو، لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

معانی: قلندروں کا طریق: اللہ والوں کا طریقہ ۔
مطلب: آغاز کائنات سے خدا کے نیک اور وفا شعار لوگوں کا یہی طرز عمل رہا ہے کہ کتنے بھی نامساعد حالات ہوں ان کا دل عشق حقیقی اور زبان پر ہمیشہ کلمہَ حق رہا ہے ۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے بے شمار قربانیاں دیں اور سچ کہنے سے گریز نہیں کیا ۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

معانی: شراب خانے: یہاں مراد اللہ والوں کی محفل ۔ پیر مغاں: رہنما ۔ مردِ خلیق: اچھے اخلاق والا ۔
مطلب: شراب خانے میں نسبتاً زیادہ ہجوم محض اس لیے ہے کہ شراب خانے کا مالک انتہائی خلیق شخص ہے ۔ تاہم علامہ کی مراد یہ ہے کہ شفقت محبت اور اخلاق ہی ایسے عناصر ہیں جو کسی ایک فرد میں یکجا ہو جائیں تو عام لوگ اس کے گرد و پیش جمع ہو جاتے ہیں اور اس کی باتیں بڑے احترام کے ساتھ سنتے ہیں ۔

علاجِ ضعفِ یقیں ان سے ہو نہیں سکتا
غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق

معانی: علاجِ ضعفِ یقیں : یقین کی کمزوری کا علاج ۔
مطلب: ہرچند کہ امام رازی کی تعلیمات حکمت و دانائی کی آئینہ دار تھیں اس کے باوجود وہ ان لوگوں کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد نہیں ہو سکتیں جن کا ایمان کمزور دل یقین و اعتماد سے خالی ہے یقین و اعتماد تو محض عشق حقیقی ہی پیدا کر سکتا ہے ۔

مریدِ سادہ تو رو رو کے ہوگیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

معانی: توفیق: ہمت ۔
مطلب: بقول اقبال آج کل کے پیران کرام کا کردار یہ ہے کہ وہ اپنے سادہ دل مریدوں کو حق پرستی کی ترغیب تو دیتے رہتے ہیں لیکن خود تعلیمات پر عمل نہیں کرتے ۔ جن پر عمل کے لیے اپنے مریدوں کو اکساتے ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ ان پیروں کے قول و فعل میں تضاد ہے ۔ مرید تو خیر اپنی سادہ لوحی کی بنا پر اپنے پیروں کے اقوال پر ایمان لے آتے ہیں لیکن خود پیروں کا یہ حال ہے کہ اپنے منافقانہ کردار سے انحراف کے لیے تیار نہیں ہوتے ۔

اسی طلسمِ کہن میں اسیر ہے آدم
بغل میں اس کے ہیں اب تک بتانِ عہدِ عتیق

معانی: طلسمِ کہن : پرانا جادو ۔ اسیر: قیدی ۔ بتانِ عہد عتیق: پرانے زمانے کے بت ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ اس سے بڑی بد قسمتی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان ابھی تک اس ترقیاتی عہد میں بھی دورجاہلیت کی برائیوں سے نجات حاصل نہیں کر سکا ۔ آج بھی برادری، رنگ و نسل ، قبیلے ، فرقے اور اسی نوع کی دوسری برائیوں کا وجود برقرار ہے اور آج انسان انہی جھگڑوں میں الجھا ہوا ہے ۔

مرے لیے تو ہے اقرارِ باللساں بھی بہت
ہزار شکر ، کہ ملاّ ہیں صاحبِ تصدیق

معانی: اقرار باللسان: زبان سے اقرار ۔ صاحب تصدیق: دل سے تصدیق کرنے والا ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال نے ملاؤں پر زبردست طنز کیا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ میں تو ایک ایسا سیدھا سادا مسلمان ہوں جس کے روبرو اسلام کا زبانی اقرار کر لینا ہی کافی ہے جب کہ ملاؤں نے تو یہ وطیرہ اختیار کیا ہوا ہے کہ وہ ہر امکانی طریق پر ان کے زیر اثر آئے ہوئے مسلمانوں کے عقائد کو کھنگالتے ہیں اور اس کے بعد بہت کم خوش قسمت ایسے ہوتے ہیں جو ان کے معیار پر پورا اترتے ہیں ۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

معانی: زندیق: ملحد
مطلب: دیکھا جائے تو اس شعر میں اقبال نے بڑے فلسفیانہ اور حقیقت پسندانہ انداز میں اسلام کی تعریف کی ہے کہ حقیقی اسلام کیا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ انسان کے دل میں عشق حقیقی کی تڑپ موجود ہو تو کفر بھی مسلمانی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اگر دل میں عشق حقیقی کی تڑپ نہ ہو تو کسی مسلمان اور کافر و ملحد میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا ۔ مراد یہ ہے کہ مسلمان کے لیے بنیادی شرط عشق حقیقی ہے ۔ اسے جذبے کے زیر اثر وہ احکام الہٰی پر کاربند رہتا ہے اور احکام الہٰی پر عمل کیے بغیر کوئی مسلمان مسلمان نہیں ہے بلکہ اس میں اور کافر و ملحد میں کوئی فرق نہیں رہتا ۔

(12)

پوچھ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی
تو صاحبِ منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی

معانی: راہی: مسافر۔
مطلب: کسی اور سے استفسار کرنے کی حاجت نہیں خود اپنے دل اور ضمیر سے اس امر کا جواب طلب کر لے کہ اے مسلمان تو صاحب منزل ہے کہ گم کردہ راہ ہے کہ دل اور ضمیر ہی اس مقصد کے لیے کسوٹی کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

کافر ہے مسلماں تو نہ شاہی ، نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

مطلب: اگر مسلمان نام کا ہے اور اس نے کافروں جیسی عادتیں اختیار کر رکھی ہیں تو وہ نہ تو بادشاہی میں مطمئن ہو سکتا ہے نہ فقیری میں ۔ اس کے برعکس اگر وہ ایک سچا مومن ہے تو فقیری اور درویشی میں بھی وہ بادشاہوں کے مرتبے سے بلند ہوتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ مسلمان تو محض اسی صورت میں حقیقی مسلمان اور مومن ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں احکام الٰہی کا پیرو کار ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر کافر اور اس نوع کے نام نہاد مسلمان میں فرق ہی کیا ہے حقیقی اور سچا مسلمان تو فقیری اور درویشی کے عالم میں بادشاہوں کے رتبے سے کہیں اعلیٰ ہوتا ہے ۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

معانی: بے تیغ: تلوار کے بغیر۔
مطلب: اقبال حقیقی مومن اور کافر کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زندگی کی جدوجہد ہو جا جنگ کا میدان ہو کافر تو ان میں اسلحہ اور جملہ سازوسامان پر بھروسہ کرتا ہے جب کہ ایک سچا مومن تو محض اپنی قوت ایمان کے بل پر اسلحہ اور دیگر سازوسامان کے بغیر کافر سے بھی نبرد آزما ہونے پر تیار رہتا ہے ۔

کافر ہے تو ہے تابِع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی

معانی: تابع تقدیر: تقدیر کے ماتحت ۔ تقدیر الٰہی: اللہ کی رضا ۔
مطلب: جو شخص محض نام کا مسلمان ہے اور احکام الٰہی کا پابند نہیں وہ تو خود کو تقدیر کا پابند بنا لیتا ہے اور عملی دنیا سے ہٹ کر تقدیر کو ہی ہر اچھائی برائی کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے جب کہ حقیقی مومن اور سچے مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ ہر کام رضائے خداوندی کے مطابق کر کے خود تقدیر الٰہی بن جاتا ہے ۔

میں نے تو کیا پردہَ اسرار کو بھی چاک
دیرینہ ہے تیرا مرضِ کورِ نگاہی

معانی: پردہَ اسرار: راز کے پردے ۔ چاک: پھاڑ دے ۔ کور نگاہی: اندھا پن ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال انسان اور مسلمان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں میں نے تو اپنے باطنی شعور کی بدولت زندگی کے پوشیدہ رازوں کو کھول کر رکھ دیا ہے اس کے باوجود اگر تیری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آئیں تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ تیرا مرض لاعلاج ہو چکا ہے اور اب اس سے شفا حاصل کرنے میں شاید کوئی دوا بھی کارگر نہیں ہو سکتی ۔

(13)

(قرطبہ میں لکھے گئے)

یہ حوریانِ فرنگی ، دل و نظر کا حجاب
بہشتِ مغربیاں جلوہ ہائے پا بہ رکاب

معانی: حوریانِ فرنگی: مغربی ممالک کی عورتیں ۔ دل ونظر: دل اور نگاہ ۔

مطلب: نظم کے اس شعر میں کہا گیا ہے کہ یورپ کی خوبصورت عورتیں جن کو دیکھ کر لوگوں کے دل تڑپ اٹھتے ہیں امر واقعہ یہ ہے کہ یہ چہرے انسان کو راہ حق سے گمراہ کرتے ہیں ۔ اسی یورپ کے ممالک جو اپنے حسن وزیبائش کے اعتبار سے بہشت کے مانند ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے جلوے عارضی ہیں ۔ ان میں پائیداری نام کو نہیں ۔ تصنع اور بناوٹ دیکھا جائے تو ان حسین عورتوں اور یورپی ممالک کا بنیادی جوہر ہے ۔ ان میں جو جاذبیت ہے وہ بھی تصنع کی حامل ہے ۔

دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا
مہ و ستارہ ہیں بحرِ وجود میں گرداب

معانی: گرداب: بھنور جو پانی میں گھومتا ہے اور جو چیز اس کی زد میں آئے غرق ہو جاتی ہے ۔

مطلب: اقبال اس شعر میں بھی مرد مسلماں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا میں جتنی خوبصورت اور بظاہر کارآمد چیزیں ہیں وہ تیرا مقصود نہیں بلکہ عملاً راہ حق میں رکاوٹ کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ چنانچہ تجھ پر لازم ہے کہ ان خوبصورت چیزوں سے گریز کرتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ راہ حق پر گامزن ہو جا ۔

جہانِ صوت و صدا میں سما نہیں سکتی
لطیفۂ ازلی ہے فغانِ چنگ و رباب

معانی: صوت و صدا: لطیفۂ ازلی: پہلے دن کا معاملہ ۔ فغاں : فریاد ۔ چنگ و رباب: گانے کے ساز ۔
مطلب: ہسپانیہ میں چونکہ موسیقی کا بہت زیادہ رواج تھا اس لیے اقبال نے قرطبہ میں قیام کے دوران شعر کہتے ہوئے اپنے ما فی الضمیر کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ان میں چنگ و رباب کو علامتی حیثیت حاصل ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ چنگ و رباب میں ابتداء سے ہی ایسی خاصیت موجود ہے جو سمجھ میں نہ آنے کے باوجود آواز و آہنگ کی دنیا میں نہیں سما سکتی بالفاظ دگر مذکورہ سازوں میں جو تاثیر ہے اس کا بیان ممکن نہیں ۔

سکھا دیے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقہی
فقیہِ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب

معانی: شیوہ ہائے خانقہی: صوفیوں کا نظام، بے عملی کی زندگی ۔ فقیہِ شہر: شہر کا دینی رہنما ۔ کر دیا ہے خراب: یعنی گمراہ کر دیا ۔
مطلب: اس شعر میں علامہ علمائے شریعت اور پیران طریقت کا ذکر کرتے ہوئے قدرے تلخی اور ترشی سے کام لیتے ہیں ۔ ارشاد ہے کہ پیران طریقت صوفیوں سے خانقاہی نظام کو مادی سطح پر کامیابی کے ساتھ چلا کر علمائے شریعت کو بھی اس جانب راغب کر لیا ہے اور موخر الذکر عملاً برباد ہو کر رہ گئے ہیں ۔

وہ سجدہ، روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

معانی: روحِ زمیں: زمین کی روح ۔ محراب: مسجد کے درودیوار ۔
مطلب: اس ضمن میں صورت حال یہ پیدا ہوئی کہ علمائے شریعت کی بے عملی کے سبب آج محراب و منبران سجدوں کو ترس رہے ہیں جن کے باعث کبھی زمیں لرزا اٹھتی تھی ۔

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہَ سیماب

معانی: رعشہَ سیماب: پارے کی تڑپ ۔
مطلب: اور تو اور مصر و فلسطیں میں بھی اب اس اذان کا دبدبہ نہیں رہا جس نے پہاڑوں کو لرزا کر رکھ دیا تھا ۔ ظاہر ہے کہ مسلمان اس وقت با عمل اور صاحب کردار تھے جب کہ آج صورت حال اس کے بر عکس ہے ۔

ہوائے قرطبہ شاید یہ ہے اثر تیرا
مری نوا میں ہے سوز و سرورِ عہدِ شباب

معانی: سرور: لذت، مزا ۔ عہدِ شباب: جوانی کا زمانہ ۔
مطلب: اس آخری شعر میں اقبال کہتے ہیں میرے لہجہ میں جو شباب کا سوز و سرور ایک بار پھر رونما ہوا ہے سو یہ قرطبہ کے ماحول اور اس کی آب و ہوا کا اثر معلوم ہوتا ہے ۔

(14)

دلِ بیدار فاروقی ، دلِ بیدار کرّاری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

معانی: دل بیدار: جاگتا ہوا دل ۔ فاروقی: حضرت عمر فاروق جیسا ۔ حضرت علی حیدرِ کرار جیسا ۔ مِس: چاندی ۔ کیمیا: سونا بنانے والی چیز۔ بیداری: جاگناہ ۔

مطلب: اقبال کے نزدیک جس انسان کا دل بیدار ہو جائے اور شعور ذات پیدا ہو جائے اس میں حضرت عمر فاروق اور حضرت علی حیدر کرار جیسے اوصاف و خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں ۔ مزید یہ کہ دل کی بیداری انسان کے لیے ایسی ہی شے ہے جیسی کہ تانبے کے لیے کیمیا جو تانبے کو سونا بنانے کی اہلیت رکھتی ہے ۔ مراد یہ کہ دل کی بیداری شعور ذات اور مکمل ذات کی حامل ہوتی ہے ۔

دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

معانی: خوابیدہ: سویا ہوا ۔ ضرب: چوٹ ۔

مطلب: اس شعر میں اقبال پہلے شعر کے حوالے سے مسلمان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ جب تک دل بیدار نہیں ہوتا اور خوابیدہ ہے یہ سمجھ لے کہ دشمن کے خلاف نہ تیرا وار کارگر ہو گا نہ میرا وار کارگر ہو سکے گا ۔ اس لیے تو دل کی بیداری شرط اول ہے ۔

مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا
ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آ ہوئے تاتاری

معانی: ظن و تخمین: اندازہ ۔ آہوے تاتاری: تاتار (ترکستان) کا ہرن ۔
مطلب: منزل مراد تک پہنچنے کے لیے مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ انسان متوقع صورت حال کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ محض اندازوں سے بات بننا مشکل ہے ۔

اس اندیشے سے ضبطِ آہ میں کرتا رہوں کب تک
کہ مغ زادے نہ لے جائیں تری قسمت کی چنگاری

معانی: اندیشے: ڈر ۔ ضبطِ آہ: آہ کو روکنا ۔ مغ زادے: شراب بنانے والوں کی اولاد یعنی انگریز ۔
مطلب: میں اب تک جو اظہار حقیقت نہ کر سکا تو اس کی وجہ محض یہ خدشہ تھا کہ میرے افکار سے کہیں غیر مسلم استفادہ نہ کر لیں ۔ جب کہ اپنے عہد کے مسلمانوں کی بے حسی کا تو پہلے سے ہی مجھے اندازہ ہے تاہم میرے لیے اب یہ ممکن نہیں رہا کہ اسی خدشے کی بنا پر اظہار حقیقت سے مسلسل گریز کرتا رہوں ۔

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

معانی: عیاری: چالاکی ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال خداوند عزوجل سے مخاطب ہو کر استفسار کرتے ہیں کہ اے مالک حقیقی آج کے عہد میں تو درویشی بھی عیاری سے پاک نہیں اور بادشاہت بھی عیاری کے سوا اور کچھ نہیں ۔ اس صورت میں ہم جیسے سادہ دل انسانوں کا گزر کیسے ہو۔ مراد یہ ہے کہ درویش بھی اپنے حقیقی فراءض سے غافل ہیں اور بادشاہ بھی اپنے منصب کا احترام نہیں کر رہے ۔

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ، باطن میں گرفتاری

معانی: تہذیبِ حاضر: جدید یورپ کی زندگی گزارنے کا طریقہ ۔ گرفتاری: غلامی ۔
مطلب: اس ساری صورت حال میں ایک بات واضح ہے کہ تہذیب حاضر نے بے شک انسان کو آزادی تو عطا کر دی ہے لیکن بغور جائزہ لیا جائے تو یہ آزادی عملاً غلامی سے بھی بدتر ہے ۔

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی، مرا ایماں ہے زُناری

معانی: دانش: عقل ۔ افرنگی: انگریزی ۔ زناری: ہندوانہ ۔
مطلب: اس سارے پس منظر کے حوالے سے اقبال ایک طرح مایوسی کی حالت میں خداوند تعالیٰ کے روبرو عرض پرداز ہیں کہ میری سوچ تو انگریزی تہذیب و دانش سے مستعار ہے اور جہاں تک عقائد کا تعلق ہے ان پر بھی غیر مسلم کے کلچر کا سایہ ہے ۔ اس لیے اے باری تعالیٰ تو ہی مدد کر کہ میں سچائی کی راہ پر گامزن ہو سکوں ۔

(15)

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذتِ نیاز نہیں

معانی: کبر و ناز: تکبر اور فخر کرنا ۔ لذتِ نیاز: عاجزی کا مزا ۔

مطلب: جس انسان کا ضمیر خودی کے جذبے سے مخمور ہوتا ہے اس میں نہ غرور ہوتا ہے نا ہی وہ اپنی ذات پر فخر کرتا ہے ۔ بالفرض کسی مرحلے پر فخر بھی عود کر آئے تو اس میں ابھی عملاً نیاز مندی کا پہلو شامل ہو گا ۔ اس شعر کو آسان اور سہل الفاظ میں یوں بیان کی جا سکتا ہے کہ جن لوگوں میں سچائی کو راہ دکھانے کی اہلیت ہوتی ہے وہ کسی مرحلے پر بھی کبر و غرور سے بالاتر رکھتے ہوئے ہمیشہ نیازمندی اور انکساری سے کام لیتے ہیں ۔ یہی عمل ان کی عظمت کی دلیل بن جاتا ہے ۔

نگاہِ عشق، دلِ زندہ کی تلاش میں ہے
شکارِ مردہ ، سزاوارِ شاہباز نہیں

معانی: سزاوار شاہباز: باز کے لائق نہیں ۔

مطلب: عشق حقیقی تو ہمیشہ زندہ دل لوگوں کا وطیرہ ہوتا ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے شہباز مردہ جانور پر جھپٹنے کی بجائے محوِ پرواز پرندے کا شکار کرتا ہے ۔

مری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی
کہ بانگِ صورِ سرافیل دل نواز نہیں

معانی: محبوبی: دلکشی ۔ دل نواز: دل لبھانے والی ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال صورِ اسرافیل کے حوالے سے اپنے نغمے گری کے ضمن میں ایک اہم بات کہتے ہیں کہ قیامت کے روز جس طرح حضرت اسرافیل کے صور پھونکنے سے تمام مردے اس خوفناک آواز پر زندہ ہو اٹھیں گے ۔ اسی طرح میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے اشعار کی لے بھی تلخ نوائی کی حامل ہے کہ سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے ۔

سوالِ مے نہ کروں ساقیِ فرنگ سے میں
کہ یہ طریقۂ رندانِ پاکباز نہیں

معانی: سوالِ مے: شراب مانگنا ۔ رندانِ پاکباز: پاکیزہ شراب پینے والے ۔
مطلب: فرماتے ہیں کہ یورپی استعمار پرستوں سے میں کسی قسم کی بھیک کا طلبگار نہیں ہو سکتا کہ اہل حق اور آزاد لوگوں کے لیے کسی کے روبرو بھی دست سوال کرنا ان لوگوں کے اصولوں کے منافی ہے جو آزادی پر کامل یقین رکھتے ہیں اور موت کو غیروں کی غلامی پر ترجیح دیتے ہیں ۔

ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

مطلب: اقبال کے بقول عشق حقیقی کا جذبہ ہر دل میں راہ نہیں پا سکتا کہ اس کا زمانہ سازی اور منافقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ عشق حقیقی تو صرف انھی دلوں میں موجزن ہوتا ہے جو اس کی لطافت اور پاکبازی کا شعور رکھتے ہیں اور دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد انتہائی محدود ہے ۔

اک اضطرابِ مسلسل غیاب ہو کہ حضور
میں خود کہوں تو مری داستاں دراز نہیں

مطلب: غیاب: غائب ۔ حضور: سامنے موجود ۔

مطلب: اس شعر میں اقبال ان لوگوں کے حوالے سے خود پر طاری ہونے اور مسلسل اضطراب و بے قراری کا ذکر کرتے ہیں کہ دنیا والے اس مسئلے پر کتنی ہی مبالغہ آرائی کریں ۔ میرا معاملہ تو بس محبوب کی جدائی یا پھر وصال تک محدود ہے ۔

اگر ہو ذوق تو خلوت میں پڑھ زبورِ عجم
فغانِ نیم شبی بے نوائے راز نہیں

معانی: زبورِ عجم: اقبال کی فارسی غزلوں کا مجموعہ ۔ فغانِ نیم شبی: آدھی رات کو اٹھ کر اللہ سے دعائیں کرنا ۔

مطلب: اگر کسی میں ذوق مطالعہ اور حقیقت کو پانے کی تڑپ موجود ہے تو پھر شب کی پر سکون تنہائی میں میرے شعری مجموعے زبور عجم کا مطالعہ کرے کہ اس کے اشعار میں ایسی فریاد پوشیدہ ہے جو انسان خلوص دل کے ساتھ نصف شب کے بعد ہی خدائے پاک کے روبرو کرتا ہے ۔ ایسی فریاد رازہائے درون پردہ کی امیں ہوتی ہے ۔

(16)

میرِ سپاہ ناسزا، لشکریاں شکستہ صف
آہ! وہ تیرِ نیم کش، جس کا نہ ہو کوئی ہدف

معانی: میرِ سپاہ ناسزا: سپہ سالار نالائق ہے ۔ لشکریاں شکستہ صف: فوجوں میں نظم و ضبط نہیں ۔ تیرِ نیم کش: آدھا کھچا ہوا تیر جس کا کوئی ہدف نہ ہو ۔

مطلب: اس نظم کے اشعار میں قریب قریب ہر مقام پر اقبال کی حیثیت ایک دل گرفتہ اور مایوس شاعر کے مانند ہے ۔ چنانچہ ابتدائی شعر میں ہی وہ ایک صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے بڑے دردانگیز لہجے میں یوں گویا ہیں کہ میری قوم اپنے بے حسی اور بے عملی کے سبب انتہائی انتشار کا شکار ہے ۔ یہ بھی ہے کہ قوم کا جو رہنما ہے وہی بے عمل اور قیادت کی صلاحیت سے عاری ہے چنانچہ نہ تو قوم کے سامنے کوئی جذبہ تعمیر ہے نا ہی اس کے رہنما کے ذہن میں کوئی تعمیری منصوبہ جو مثبت کیفیت کا حامل ہو ۔

تیرے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں
ڈھونڈ چکا میں موج موج، دیکھ چکا صدف صدف

مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ معاشرے اور قوم میں کوئی تعمیری جوہر تلاش کر سکوں لیکن اس سعی میں بری طرح ناکام ہوا ۔ عملاً یہ اشعار ملت کے انتشار بے عملی اور بے راہ روی کا نوحہ ہیں ۔ ان حالات میں بھی اقبال کسی مثبت پہلو کے متلاشی نظر آتے ہیں ۔

عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا، اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگارِ دیر میں خونِ جگر نہ کر تلف

مطلب: اس شعر میں اقبال ملت کو ایک نئی راہ سے آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غیروں کی مدح سرائی اور خوشامد سے احتراز کرتے ہوئے خود اپنی حقیقت کو پہچاننے اور جاننے کی کوشش کر کہ غیروں کی خوشامد اور کاسہ لیسی میں کسی نوع کی قربانی دینا بے مقصد اور بے فائدہ ہے ۔ مراد یہ ہے کہ صحیح انسان وہی ہے جو دوسروں کی غلامی کو مسترد کرتے ہوئے اپنی آزادی کا تحفظ کرے ۔

کھول کے کیا بیاں کروں سرِ مقامِ مرگ و عشق
عشق ہے مرگِ با شرف ، مرگ حیاتِ بے شرف

مطلب: موت اور عشق کے مابین جو فرق ہے اس کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی حاجت نہیں بس اتنا کہہ دینا ہی کافی ہو گا کہ عزت کے ساتھ جان دینے کا نام ہی فی الواقع عشق ہے ۔ اس کے برعکس موت بے شرف اور بے وقار عمل کا نام ہے ۔ مراد یہ ہے کہ بے عزتی اور بے وقار زندگی ہی موت کے مترادف ہے ۔

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

مطلب: اقبال فرماتے ہیں کہ مولانا روم کی تعلیمات نے مجھ پر یہ راز منکشف کیا کہ لاکھوں فلسفی اپنے علوم کو دوسروں تک پہنچانے کے باوجود ایک ایسے شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو عالم با عمل ہے اور عشق حقیقی سے سرشار ہے اور اپنا یہ جذبہ دوسروں میں منتقل کرتا ہے ۔

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف

معانی: معرکہ آزما: جنگ کرنے والا ۔ لا تخف: مت ڈر ۔

مطلب: اس شعر کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح فرعون سے نبرد آزما ہونے کی روایت اگر کوئی آج کے عہد میں بھی زندہ رکھنے کا اہل ہو تو جس طرح فرعون کے خلاف خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی مدد کی تھی اس طرح آج بھی وہ ایسے شخص کا یقینا مدد گار ہو گا ۔ مراد یہ ہے کہ باطل کے خلاف نبرد آزما ہونا ہی حمایت خداوندی کی بنیاد بنتا ہے ۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

مطلب: اس نظم کے آخری شعر میں اقبال عملاً اپنے ذاتی عقیدے کی بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مغربی تہذیب و دانش نے اپنی تمام تر جلوہ طرازی کے مجھے اس لیے متاثر نہیں کیا کہ میرا واسطہ تو مدینہ و نجف سے ہے ۔ یعنی حضور سرور کائنات ﷺ اور امیر المومنین حضرت علی کی تعلیمات نے ہی مجھے وہ بصیرت عطا کی جس کے بعد کسی دوسرے کے فرمودات کی ضرورت نہیں رہتی ۔

(17)

(یورپ میں لکھے گئے)

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

معانی: زمستانی: سرد ترین (یورپ) ۔ آدابِ سحر خیزی: صبح اٹھ کر عبادت کرنے کے آداب ۔
مطلب: اس نظم کے اشعار اقبال نے لندن کے قیام کے دوران لکھے، جن دنوں وہ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو سردی کا زمانہ تھا اور اس امر کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ برطانیہ میں موسم سرما میں سردی شدت کی ہوتی ہے ۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں کہ لندن میں اگرچہ سرد ہوا میں شمشیر کی سی کاٹ تھی اور بستر سے ہاتھ نکالنا بھی مشکل ہوتا تھا اس کے باوجود میں اپنی فطری عادات کے مطابق علی الصبح بیدار ہوتا اور موسم کی پروا کئے بغیر اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف ہو جاتا ۔

کہیں سرمایۂ محفل تھی میری گرم گفتاری
کہیں سب کو پریشاں کر گئی میری کم آمیزی

معانی: سرمایۂ محفل: محفل کی دولت مراد محفل کی رونق ۔ گرم گفتاری: گفتگو کرنا، یعنی شاعری ۔ کم آمیزی: دوسروں سے دور دور رہنے کی عادت ۔
مطلب: دوسرے شعر میں بیان کرتے ہیں کہ احباب کی کسی محفل میں جب میں اظہار خیال کرنے پر آتا تو حاضرین میری گفتگو سے مسحور ہو کر رہ جاتے اور کسی مرحلے پر جب میں حسب عادت خاموشی اختیار کر لیتا تو موجود لوگ میرے سکوت پر پریشان ہو کر رہ جاتے ۔

اس شعر میں اقبال اپنی کم آمیزی کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ وہ غیر ضروری طور پر گفتگو سے گریز کرتے تھے ۔ لیکن جب ان سے کسی مسئلے کے بارے میں استفسار کیا جاتا تو اس کا جواب بڑے مدلل انداز میں تفصیل کے ساتھ دیا کرتے تھے ۔

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

معانی: زمام کام: انتظامی کام یعنی حکومت ۔ طریق کوہکن: کوہ کن (فرہاد) جس نے شیریں کے لیے نہر کھودنا چاہی ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال ایک ایسے مسئلے کی جانب اشارہ کیا ہے جس کو بالعموم زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی ۔ ان کے نزدیک اگر اقتدار مزدوروں اور محنت کشوں کے سپرد کر دیا جائے تو موجودہ نظام ایسا ہے کہ ان کا رویہ بھی وہی ہو گا جو آج کے آمر حکمرانوں کا ہے ۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

معانی: جمہوری تماشا: جمہوریت، جو مغربی طریقہ حکومت ہے ۔ جلال پادشاہی: بادشاہی کا رعب ، مراد شاہانہ نظام ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ دنیا میں ریاست کا نظام کیسا ہی ہو خواہ وہاں بادشاہت یا آمریت یا پھر جمہوریت ہو ان کے نزدیک صورت حال یہ ہے کہ سیاست سے اگر دینی اقدار کو نکال دیا جائے تو ظالمانہ آمریت کے سوا اور کچھ نہیں رہتا ۔ اس مسئلے کی مزید وضاحت کی جائے تو بات یہاں تک پہنچتی ہے کہ کسی مملکت کا نظام سلطنت خواہ کسی طرز کا بھی ہو دینی اقدار کی شمولیت کے بغیر ناکامی کا مظہر ہوتا ہے اور عوامی مسائل حل کرنے کی صلاحیت سے عاری ہوتا ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہوتی کہ اقبال بادشاہی اور آمرانہ نظام کے بھی خلاف تھے اور جمہوریت کو بھی بوجوہ ناپسند کرتے تھے ۔ ان کے مطابق تو کامیاب طرز حکومت وہی ہو سکتا ہے جو دینی اقدار کا پابند ہو ۔

سوادِ رومتہ الکبریٰ میں دلی یاد آتی ہے
وہی عبرت، وہی عظمت، وہی شانِ دلآویزی

معانی: سوادِ رومتہ اکبریٰ: اٹلی (روم) کا علاقہ ۔
مطلب: نظم کے اس آخری شعر میں علامہ روم کے قدیم اور عظیم الشان کھنڈرات کا مشاہدہ کرتے ہوئے دہلی کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہاں بھی بلند و بالا عمارتوں کی اسی طرح کے کھنڈرات ہیں جو شاہان سلف کے عظمتوں کے یادگار ہوتے ہوئے بھی نشان عبرت بنے ہوئے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح روم کے قدیم شہر میں ماضی کی پرشکوہ عمارات کے کھنڈر اس عہد کی شان و شوکت کا مظہر ہیں یہی صورت حال دہلی کے عظیم الشان کھنڈرات کی ہے ۔

(18)

یہ دیرِ کہن کیا ہے انبارِ خس و خاشاک
مشکل ہے گزر اس میں بے نالۂ آتش ناک

معانی: یہ دیرِ کہن: پرانا مندر، دنیا۔ نالۂ آتش ناک: گرم فریادیں۔

مطلب: اقبال بعض مراحل پر اظہار میں خاصا انتہا پسندانہ رویہ اختیار کرتے ہیں جس کا اندازہ اس نظم کے قریب قریب تمام اشعار اسی کیفیت کے مظہر ہیں۔ چنانچہ پہلے شعر میں وہ دنیا کے قدیم بت خانے کو خس و خاشاک یعنی گھاس پھونس کے ڈھیر سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں سے نوائے آتش کے بغیر گزر ممکن نہیں۔ مراد یہ ہے کہ دنیاوی اور معاشرتی مسائل کا حل اب محض عام نالہ و فریاد نہیں بلکہ اس مقصد کے لئے عملی جدوجہد کی ضرورت ہے خواہ اس عمل میں آتشیں کردار درکار ہو۔

نخچیرِ محبت کا قصہ نہیں طولانی
لطفِ خلشِ پیکاں، آسودگیِ فتراک

معانی: نخچیرِ محبت: محبت کا قیدی۔ خلشِ پیکاں: تیر کی چبھن عشق کے لیے مزیدار ہے آسودگیِ فتراک: تیر رکھنے کا تواہرا۔

مطلب: محبت کے دام میں گرفتار ہونے والے لوگوں کا معاملہ بس اسی قدر ہے کہ تیر عشق سے گھائل ہوئے پھر محبوب کے ہو کر رہ گئے۔ یہاں اقبال نے عشق و محبت کا معاملہ بڑے سادہ اور مختصر الفاظ میں پیش کیا ہے۔

کھویا گیا جو مطلب ہفتاد و دو ملت میں
سمجھے گا نہ تو جب تک بے رنگ نہ ہو ادراک

معانی: ہفتا دوملت: 72 فرقے ۔ بے رنگ نہ ہوادراک: عقل میں فرقہ پرستی کا کوئی رنگ نہ ہو۔

مطلب: اسلام میں جو فرقہ بندیوں کی لعنت وجود پذیر ہوگئی ہے اس کے ادراک کے لیے ایسے ذہن کی ضرورت ہے جو خود فرقہ بندی اور اس سے جنم لینے والی منافقت سے پاک ہو۔

اک شرعِ مسلمانی، اک جذبِ مسلمانی
ہے جذبِ مسلمانی سرِ فلک الافلاک

معانی: علامہ اس شعر میں ایک نکتے کی توضیح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک شے تو اسلامی شریعت ہوتی ہے اور ایک اسلامیت سے جذب و عشق کی کیفیت ہے اور آخر الذکر کیفیت ہی فی الاصل افلاک کے پوشیدہ رازوں میں سے ایک ہے ۔

اے رہروِ فرزانہ، بے جذبِ مسلمانی
نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقین نمناک

معانی: اس شعر میں اقبال پچھلے شعر کی تشریح میں اضافہ کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں کہ جذب و عشق کے بغیر نہ راہ عمل کا ادراک ممکن ہے نا ہی یقین و اعتماد میں تازگی اور استحکام آتا ہے ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جذب و عشق کے بغیر راہ عمل کا تعین ممکن نہیں ۔

رمزیں ہیں محبت کی گستاخی و بیباکی
ہر شوق نہیں گستاخ ہر جذب نہیں بے باک

مطلب: عشق حقیقی کی شدت اور انتہا یہ ہے کہ وہ محبت کرنے والے کو ایک حد تک گستاخ بھی بنا دیتا ہے اور بے خوف بھی ۔ عشق حقیقی تو انسان کو ہر شے سے بے نیاز کر کے اپنے نقطہ نظر پر ڈٹ جانے کی تلقین کرتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ عشق حقیقی میں وہ

جوش و خروش اور جذبہ ہوتا ہے کہ اس کیفیت کو قبول کرنے پر محبوب بھی قید ہو جاتا ہے ۔ تاہم اس حقیقت کو بھی جان لینا چاہیے کہ عشق کا ہر جذبہ اس نوع کی گستاخی اور بے باکی کا مظہر نہیں ہوتا ۔

فارغ تو نہ بیٹھے کا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک، یا دامنِ یزداں چاک

مطلب: ابتدائی شعر کی تشریح کرتے ہوئے اس نظم میں اقبال کے اظہار میں جس نوع کی انتہاپسندی کا اشارہ دیا گیا تھا یہ آخری شعر اس کا واضح ثبوت ہے ۔ فرماتے ہیں کہ میرا جذبہ عشق مجھے روز محشر بھی بیٹھنے نہیں دے گا چنانچہ وہاں اس امر کا خدشہ ہے کہ دیوانگی کے عالم میں یاتو اپنے گریباں کی دھجیاں اڑا کر رکھ دوں گا یا پھر خدائے لم یزل کا دامن میرے ہاتھ میں ہو گا ۔ اس آخری شعر میں اقبال اس صورت حال کے عملی پہلو کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ کہ عشق حقیقی کا خوگر جس طرح عالم فانی میں محبوب کے ساتھ گستاخی و بے باکی کا مظاہرہ کر سکتا ہے اسی طرح روزِ محشر بھی وہ خوش جنوں میں یہ سب کچھ کیوں نہ کر گزرے گا ۔

(20)

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

مطلب: نظم کے اس پہلے شعر میں انھوں نے عقل اور عشق کے حوالے سے بات کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ محبوب کا آستانہ ایک عاشق اپنے عقلی شعور کی بنیاد پر تو پا سکتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس کی دانش اس آستاں پر باریابی حاصل کر سکے ۔ مراد یہ کہ عشق تو ایک والہانہ جذبے کا نام ہے جب کہ عقل کا مسلک استدلال ہے ۔ یہی تضاد عقل اور عشق کے مابین حائل ہے ۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

معانی: لازم ہے کہ حق تعالیٰ سے وہ بصیرت بھی طلب کی جائے جس سے دل روشن ہو سکتا ہے ۔ اس لیے کہ صرف بصارت چشم ہی دل کے لیے بصارت نہیں بن سکتی ۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دل ہی روشن نہ ہو تو محض آنکھ کی روشنی کافی نہیں ۔ عملاً بصارت اور بصیرت کے بغیر انسان کی تکمیل نہیں ہو سکتی ۔

علم میں بھی سرور ہے لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

مطلب: علم کی تعریف بیان کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ بے شک علم میں ایک کیف آور جذبہ تو موجود ہے لیکن اس کیف آور جذبے کی رسائی دل تک نہیں ہوتی بلکہ یہ تو دماغ تک محدود رہتا ہے ۔ چنانچہ علم دراصل عملاً ایک ایسی بہشت کی حیثیت رکھتا

ہے جس میں حور تو الگ رہی اس کا تصور بھی موجود نہیں ۔ علامہ نے اس سے پہلے شعر میں دل اور آنکھ کے مابین فرق کا ذکر کیا تھا جب کہ اس شعر میں وہ علم اور دل کے حوالے سے بات کر رہے ہیں ۔

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
ایک بھی صاحبِ سرور نہیں

مطلب: یہ امر کس قدر افسوس ناک ہے کہ بقول اقبال ایک شخص بھی ایسا موجود نہیں جو ذوق و شوق کا مالک ہو یعنی عشق حقیقی سے صحیح طور پر لطف اندوز ہو سکے ۔

اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

مطلب: اک جنوں تو ایسا ہے جس میں ہوش و حواس اور شعور قائم رہتے ہیں جب کہ ایک جنون اس کے برعکس ہے اس میں انسان ہوش و حواس اور شعور اور شعور سے بیگانہ ہو جاتا ہے ۔ اقبال کے نزدیک حقیقی وہی ہے جس میں ہوش و حواس قائم رہ سکیں ۔ یہی وہ کیفیت ہے جو عشق حقیقی تک لے جاتی ہے ۔

ناصبوری ہے زندگی دل کی
آہ! وہ دل کہ ناصبور نہیں

معانی: ناصبوری: بے صبری ۔

مطلب: دل میں اضطراب اور تڑپ کی موجودگی ہی دراصل دل کے زندہ ہونے کا ثبوت ہیں چنانچہ عملاً وہ دل بے حسی کا حامل ہے جس میں تڑپ اور اضطراب موجود نہ ہو ۔

بے حضوری ہے تیری موت کا راز

زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں

مطلب: محبوب کی بارگاہ سے محرومی ایک طرح سے موت کے مترادف ہے اور اس کی بارگاہ تک رسائی زندگی کی دلیل ہے ۔

ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا

تو ہی آمادہَ ظہور نہیں

مطلب: اقبال خدا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تمام موتی سیپیوں کو توڑ کر باہر نکل آئے لیکن ایک تو ہی ہے جس نے ظہور نہیں کیا اور ابھی تک مستور ہے ۔

اَرِنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر

یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں

مطلب: میں بھی حضرت موسیٰ کی مانند حق تعالیٰ سے جلوہ نمائی کی استدعا کر رہا ہوں لیکن میں اس امر کا خواہاں نہیں کہ اس کے جلوے کو دیکھ کر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جاؤں میں تو اسے عالم ہوش میں دیکھنے کا خواہاں ہوں ۔

(21)

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبجو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

معانی: بحر: سمندر ۔ آبجو: چھوٹی نہر ۔
مطلب: اس نظم کے مطلع میں اقبال خودی کی تعریف پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خودی تو ایسا بے پایاں سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ تو نے تو خودی کو ایک معمولی ندی سمجھ لیا ہے ۔ یہی تیری کج فہمی اور کم ہمتی ہے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خداوند عزوجل نے انسان کو بے پناہ قوتیں عطا کی ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے ان قوتوں کا ادراک نہیں ہے ۔

طلسمِ گنبدِ گردوں کو توڑ سکتے ہیں
زجاج کی یہ عمارت ہے سنگِ خارہ نہیں

معانی: طلسمِ گنبدِ گردوں: آسمان کا جادو ۔ زجاج: شیشہ ۔ سنگِ خارہ: مضبوط پتھر ۔
مطلب: انسان میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ آسمان کے طلسم کو توڑ کر رکھ دے ۔ علامہ یہاں علامتی انداز میں بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ طلسم تو شیشے کی عمارت کے مانند ہے سنگ خارا یعنی سخت پتھر کی نہیں چنانچہ سنگ خارا کے مقابلے میں شیشے کی عمارت کو توڑنا سہل ہے ۔

خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
مگر یہ حوصلہَ مردِ ہیچ کارہ نہیں

معانی: مردِ ہیچ کارہ: ناکارہ شخص ۔

مطلب: ایسے جانباز لوگ جو کچھ کر گزرنے کی ہمت و استطاعت رکھتے ہیں ۔ ان کے روبرو اگر خودی ایک سمندر کے مانند ہے تو اس میں غوطہ لگا کر اپنی ہمت و جرات کے طفیل پھر سے صفحہ آب پر ابھر سکتے ہیں لیکن یہ جان لینا چاہیے کہ یہ کام نکمے اور ناکارہ لوگوں کا نہیں ہو سکتا بلکہ جواں ہمت لوگوں سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے ۔

ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے
کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں

مطلب: انجم شناس: ستاروں کا علم جاننے والا ۔

مطلب: انسان سے مخاطب ہوتے ہوئے حکیم الامت کہتے ہیں کہ وہ لوگ جو ستارہ شناسی کے دعویدار ہیں تیرے مقام اور مرتبے کو کس طرح سے جان سکتے ہیں کہ تُو تو ایک زندہ وجود ہے اور ستاروں کے تابع تو نہیں ہے اور ستاروں کا محدود علم رکھنے والے تیرے مقام کو کس طرح سے جان سکتا ہے ۔

یہیں بہشت بھی ہے، حور و جبرئیل بھی ہے
تری نگہ میں ابھی شوخیِ نظارہ نہیں

مطلب: روایت تو یہی ہے کہ جبرئیل اور حور و غلماں خدائے لا یزل کی پیدا کردہ بہشت میں موجود ہیں لیکن اگر تجھ میں بصیرت اور دور بینی کے عنصر موجود ہوں تو اس حقیقت کو جان لے گا کہ حور و غلماں ، جبرئیل اور بہشت تو خود تیرے سامنے موجود ہیں لیکن اس کو جاننے کے لیے چشم بصیرت درکار ہے ۔ بد قسمتی سے اس خصوصیت سے تو بہرہ ور نہیں ہے ۔

مرے جنوں نے زمانے کو خوب پہچانا
وہ پیرہن مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

معانی: پیرہن: لباس ۔
مطلب: میرا جذبہ عشق تو اس قدر حقیقت شناس ہے کہ اپنے عہد اور اس کے معاشرے سے پوری طرح سے آگاہ ہے یہی وجہ ہے کہ مجھے سر چھپانے کے لیے وہ لباس عطا کیا جو پارہ پارہ نہیں ہے ۔

غضب ہے عینِ کرم میں بخیل ہے فطرت
کہ لعلِ ناب میں آتش تو ہے شرارہ نہیں

معانی: بخیل: کنجوس ۔ لعلِ ناب: اصل ہیرا ۔
مطلب: یہ امر یقینا حیرت کا باعث ہے کہ فطرت اپنی کرم گستری میں ان کمال تک پہنچنے کے باوجود بخل اور کنجوسی سے بعض مرحلوں میں کام لیتی ہے جس کے مثال لعل خالص ہے اس کا رنگ تو انتہائی سرخ شعلوں کے مانند ہے تاہم اس میں سے کوئی چنگاری نہیں جھڑتی ۔ دیکھا جائے تو یہ غیر فطری سا عمل ہے لیکن اقبال نے فطرت کے بخل کے بارے میں بات اسی حوالے سے کی ہے ۔

(22)

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی

معانی: بادِ صبح گاہی: صبح کی خوشگوار ہوا ۔ عارف: آشنا ۔
مطلب: اس نظم میں اقبال نے خودی کے معاملات پر یوں کہا ہے کہ صبح کی خوشگوار ہوا مجھے یہ پیغام دے گئی ہے کہ جو لوگ خودی کے مقام سے آشنا ہیں وہ رتبے میں بادشاہ سے کم نہیں ہوتے ۔

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی ، نہ رہی تو رُوسیاہی

معانی: آبرو: عزت ۔ روسیاہی: رسوائی ۔
مطلب: اس شعر میں بھی یہ کہا گیا ہے کہ زندگی میں خودی کے حوالے سے اور انسانی آبرو بھی اسی پیمانے سے ماپی جاتی ہے ۔ خودی قائم ہے تو یہ جان لے کہ تیرے ہاتھ بادشاہی آ گئی اور اگر قائم نہ رہی تو تیرے لیے بربادی یا رسوائی کے سوا اور کچھ نہ ہو گا ۔

نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے
مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے تو نہ رہ نشیں نہ راہی

مطلب: اے فلسفی! تو نے اپنے تمام تر علم و دانش کے باوجود منزل کے نشان سے بھی آگاہ نہیں کیا لیکن اس ضمن میں تجھ سے کسی قسم کا گلہ بے معنی ہے کہ تو خود اپنے آپ میں مگن رہنے والا ہے ۔ تجھے اس سے کیا غرض کہ منزل کون سی ہے اور کیسے اس کی رہنمائی کرنی ہے ۔

مرے حلقۂ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں
وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسمِ کجکلاہی

معانی: رسم کجکلاہی: ٹیڑھی ٹوپی والے ۔ صاحب شان و شوکت ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ میرے گردوپیش جمع ہونے والوں میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں اور میں ان کی تربیت کر رہا ہوں ۔ یہ درست ہے کہ لوگ ایسے درویش ہیں جو بادشاہوں کے طور طریقوں سے پوری طرح آگاہ ہیں ۔

یہ معاملے ہیں نازک، جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی

مطلب: اے صوفی! جہاں تک عقائد کے معاملات کا تعلق ہے ان کی نزاکت سے میں پوری طرح آگاہ ہوں اور سوائے اس کے کہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ تو نے جو خانقاہی نظام راءج کیا ہے کم از کم مجھے تو وہ پسند نہیں ہے ۔ اس کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جو تیری مرضی ہے تو کر ۔ یعنی راءج پند و نصاءح کے بجائے میں نے تو تجھے تیرے حال پر چھوڑ دیا ہے ۔

تو ہما کا ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہانِ مرغ و ماہی

معانی: ہما: ایک خیالی پرندہ، جس کا سایہ کسی پر پڑ جائے تو وہ بادشاہ بن جاتا ہے ۔ جہانِ مرغ و ماہی: پرندوں اور مچھلیوں کی دنیا ۔
مطلب: شاعر مشرق کہتے ہیں کہ تو نے ابھی عملی زندگی میں جدوجہد کا آغاز تو کر دیا لیکن اپنے گردوپیش کے معاملات سے آگاہی کے بغیر اس بلندی پر پہنچنے کی سعی میں مصروف ہو گیا ہے جو دیکھا جائے تو کسی طور پر بھی تیری دسترس میں نہیں لیکن تو ہے کہ اپنے گردوپیش کو نظر انداز کر کے ایک لایعنی عمل میں مصروف ہے ۔

تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الہ الاّ
لغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

معانی: لغتِ غریب: نامعلوم علم ۔

مطلب: اقبال نظم کے اس آخری شعر میں مسلمان سے مخاطب ہیں ان کا کہنا ہے کہ قطع نظر اس کے کہ تیرا تعلق عرب سے ہے یا عجم سے ۔ تیرے لیے لا الہ الاہی حقیقی پیغام ہے ۔ لیکن اسے محض زبان سے کہہ دینا ہی کافی نہیں ہے ۔ اس کے لیے لازم ہے کہ تیرا دل بھی اس کی گواہی دے تو عملی سطح پر اس کی تصدیق نہ کرے تو پھر جان لینا چاہیے کہ یہ کسی ایسی زبان کا لفظ ہے جسے نہ تو سمجھ سکتا ہے نہ کسی کو سمجھا سکتا ہے ۔

(23)

تری نگاہ فرومایہ ہاتھ ہے کوتاہ
ترا گنہ کہ نخیلِ بلند کا ہے گناہ

معانی: فرومایہ: کمزور ۔ کوتاہ: چھوٹا ۔ نخیل بلند: بلند پودا ۔

مطلب: نظم کے اولین شعر میں معمول کے مطابق مسلمان سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ بد قسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ تیری نگاہ دوررس نہیں اور ہاتھ بھی اتنا چھوٹا ہے کہ بلندی تک اس کی رسائی ممکن نہیں ہے ۔ چنانچہ اگر تو کھجور کے بلند و بالا درخت سے پھل نہیں توڑ سکتا تو اس میں قصور درخت کا ہے یا تیرا! مراد یہ ہے کہ مقاصد بلند ہوں تو انسان کے حوصلے بھی بلند ہونا چاہیں ۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الاّ اللہ

مطلب: اس شعر میں اقبال نے نظام تعلیم کی خامیوں کی جانب اشارہ کیا ہے جس کے باعث مسلمان اپنی دینی تعلیم و تربیت سے محروم رہ جاتے ہیں ۔ یہ تعلیم تو طلبا کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر کے رکھ دیتی ہے ۔ پھر وہ نعرہ حق کیسے بلند کر سکتے ہیں ۔

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لیے اب صلاحِ کار کی راہ

مطلب: تیرے لیے اب فلاح کی راہ یہی ہے کہ خدائی جو خودی میں پوشیدہ ہے اس کو پھر سے ڈھونڈ نکال کہ اسی میں تیری بہتری ہے ۔

حدیثِ دل کسی درویشِ بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

معانی: درویش بے گلیم: بغیر گدڑی کے درویش ۔

مطلب: دل میں جو رازہائے درون پردہ موجود ہیں ان کے بارے میں کسی حقیقی درویش سے استفسار کر وہی تجھے تیرے صحیح مقام سے آگاہ کر سکتا ہے لیکن اس جعلی درویش سے احتراز کر جس نے ایک نمائشی گدڑی کاندھوں پر ڈال رکھی ہے ۔

برہنہ سر ہے تو عزمِ بلند پیدا کر
یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

معانی: برہنہ سر: ننگے سر۔

مطلب: اپنے سر پر کامیابی کا تاج رکھنا ہے تو پھر اپنے عزائم اور حوصلے بلند رکھ کہ بلند پروازی شاہین کی روایت ہے تو بھی شاہین کی پیروی کر ۔

نہ ہے ستارے کی گردش نہ بازیِ افلاک
خودی کی موت ہے تیرا زوالِ نعمت و جاہ

معانی: زوالِ نعمت و جاہ: امیری کا زوال ۔

مطلب: تو جو اقتدار اور نعمتوں سے محروم ہو گیا ہے تو تقدیر آسمان و ستاروں کو اسی صورت حال کا ذمہ دار سمجھتا ہے بنیادی طور پر یہ سوچ ہی غلط ہے ۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تو نے خودی سے رشتہ کاٹ دیا ہے اور دل عزم و حوصلے سے خالی ہو گیا ہے ۔

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

مطلب: افسوسناک بات یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی علوم کے تمام ادارے اپنے حقیقی مسلک سے محروم ہوگئے ہیں ۔ نہ ان میں زندگی کی رمق باقی رہی اس کے علاوہ یہاں اب محبت و معرفت کا بھی فقدان ہے ۔ یہ ادارے تو اپنی حقیقی روح سے محروم ہو چکے ہیں ۔

(24)

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

معانی: خرد: عقل ۔

مطلب: ہمارے دانشور اور فلسفی مستعار نظریات اور ادھر ادھر سے اکٹھی کی ہوئی باتوں کے علاوہ حقائق کے اظہار سے محروم ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ معاشرتی سطح پر جو خامیاں موجود ہیں ان کا تدارک کسی صاحب دل کی نگاہ دوررس سے ہی ہو سکتا ہے ۔

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

مطلب: تیرا مرتبہ ہر مقام سے بلند ہے تاہم اس بھید کو پانا ناگزیر ہے کہ زندگی ایک طرح سے مسلسل جدوجہد اور عمل سے عبارت ہے ۔

گراں بہا تو حفظِ خودی سے ہے ، ورنہ
گہر میں آب وگہر کے سوا کچھ اور نہیں

مطلب: جس طرح سے موتی کی قدروقیمت کا اندازہ اس کی آب وتاب سے کیا جا سکتا ہے اسی طرح انسان کی قدروقیمت خودی کے تحفظ سے ہے ۔

رگوں میں گردشِ خوں ہے اگر تو کیا حاصل
حیات سوزِ جگر کے سوا کچھ اور نہیں

مطلب: زندگی فی الواقع جگر میں سوز و گداز سے لبریز ہونے کا نام ہے ۔ محض رگوں میں خون کی گردش کا نام ہی زندگی نہیں ۔

عروسِ لالہ! مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیمِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں

مطلب: یہاں اقبال کہتے ہیں کہ اے میرے محبوب تو تو گل لالہ کی طرح سرخ ہے مجھ سے حجاب کیا کہ میں تو نسیم سحر کے مانند ہوں ۔

جسے کساد سمجھتے ہیں تاجرانِ فرنگ
وہ شے متاعِ ہنر کے سوا کچھ اور نہیں

مطلب: مغربی تاجر حقیقی ہنر کی قدر و قیمت کو نظر انداز کر کے نمائشی ہنر کی بدولت روزی کما رہے ہیں ۔ جو باتیں عالم انسانیت کے لیے مفید ہیں انہیں پس پشت ڈال رہے ہیں حالانکہ اصل شے ہنر کی متاع ہے ۔

بڑا کریم ہے اقبالِ بے نوا لیکن
عطائے شعلہ شرر کے سوا کچھ اور نہیں

مطلب: نظم کے اس آخری شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ میرا کل اثاثہ عشق حقیقی ہے ہے اور اپنے گرد و پیش کے لوگوں میں میں اسی اثاثہ سے حسب استطاعت تقسیم کرتا رہتا ہوں ۔

(25)

نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

معانی: خراج: ٹیکس ۔ قیصری: بادشاہی ۔
مطلب: یہ شعر اقبال کی مخصوص فکر کا حامل ہے ۔ فرماتے ہیں جو حقیقی درویش ہوتا ہے وہ اپنی بے نیازی کے طفیل سکندر جیسے بادشاہ کی شان و شوکت کو خاطر میں نہیں لاتا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ رعایا سے خراج حاصل کر کے جو لوگ اپنا خزانہ بھرتے ہیں ان کی بادشاہی کس قدر مضحکہ خیز ہے ۔ مراد یہ کہ ایسا حکمران تو ضرور رعایا کا محتاج ہوتا ہے ۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

مطلب: کفر کی ایک جامع تعریف علامہ نے اپنے اس شعر میں بیان کر دی ہے کہ جو شخص خدا کی رحمت سے مایوس ہو کر غیر از خدا کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے حقیقتاً وہی کفر کا ارتکاب کرتا ہے ۔

فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے

معانی: خواجگی: سرداری، حکمرانی ۔ بندہ پروری: غلام سے حسنِ سلوک ۔
مطلب: حالات نے بد قسمتی سے ایسے لوگوں کو اقتدار عطا کیا ہے جو اس حقیقت سے بھی آگاہ نہیں کہ حقوق العباد کس شے کا نام ہے ۔

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا

نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

مطلب: دل کا فیصلہ تو بس ایک نگاہ سے ہی ہوتا ہے اور نگاہ میں شوخی نہ ہو تو دلبری کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ۔

اسی خطا سے عتابِ ملوک ہے مجھ پر

کہ جانتا ہوں مآلِ سکندری کیا ہے

معانی: عتابِ ملوک: بادشاہوں کی ناراضی ۔ مآل سکندری: سکندر بادشاہ کا انجام ۔

مطلب: سکندر جیسے بادشاہ کے انجام سے چونکہ میں پوری طرح آگاہ ہوں اور یہی بات شاہی آمروں کو کھٹکتی ہے کہ میں اس راز سے واقف ہوں ۔ بجائے اس کے کہ وہ دوسرے بادشاہوں کے انجام سے عبرت حاصل کریں مجھ سے بلاوجہ کی کد رکھتے ہیں ۔

کسے نہیں ہے تمنائے سروری ، لیکن

خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

مطلب: یہ بھی درست ہے کہ ہر شخص کو دوسروں پر فوقیت اور سرداری کے حصول کی خواہش ہوتی ہے لیکن ایسی سرداری بے معنی شے ہے جو انسان میں خودی کی موت کا سبب بنے ۔ مراد یہ ہے کہ خودی کا وجود ہی سرداری کے لیے مناسب ہوتا ہے ۔

خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری

وگرنہ شعر مرا کیا ہے ، شاعری کیا ہے

معانی: قلندری: درویشی ۔

مطلب: اقبال کہتے ہیں میرے شعر اور شاعری کچھ زیادہ اہمیت کے حامل نہیں ۔ بس یوں محسوس ہوتا ہے کہ مجھ میں جو درویشانہ روش ہے وہی لوگوں کو غالباً پسند آگئی ہے ۔ اسی وجہ سے وہ میری ذات کے علاوہ میری شاعری کو بھی پسند کرتے ہیں ۔

(26)

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

مطلب: انسان اشرف المخلوقات ہے اس کے لیے باری تعالیٰ نے دونوں جہانوں کو پیدا کیا ہے ۔ ابلیس نے حکم خداوندی کے تحت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اسے راندہ درگاہ کر دیا گیا ۔ اقبال کا یہ شعر کم وبیش اسی مفہوم کا آئینہ دار ہے ۔ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو نہ زمیں کے لیے ہے نا ہی آسمان کے لیے اس کے برعکس یہ جہان تیرے لیے ہے تو جہاں کے لیے نہیں ہے ۔ مراد یہ ہے کہ قدرت نے انسان کو ہر شے سے افضل قرار دیا ہے عملاً دنیا کی ہر شے انسان ہی کے تابع ہے وہ دنیا کا تابع نہیں ہو سکتا کہ یہ صورت اس کے لیے انتہائی پستی کی حامل ہے ۔ اس نے تو اپنی صلاحیتوں سے پوری کائنات کو تسخیر کرنا ہے ۔

یہ عقل و دل ہیں شرر شعلۂ محبت کے
وہ خار وخس کے لیے ہے یہ نیستاں کے لیے

معانی: نیستاں : بانس کا جنگل ۔

مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ عقل اور دل ایک ہی جذبے کے مظہر ہیں لیکن عقل کا دائرہ کار محدود ہے جب کہ دل کا تعلق لامتناہی سلسلے سے ہے ۔ شعر کے مطابق عقل اور دل ایک طرح سے محبت کے شعلے کی چنگاریوں کے مانند ہیں لیکن عقل اگر چنگاری کے مانند ہے تو وہ گھاس پھونس کے ڈھیر کو آگ لگا سکتی ہے جب کہ دل کی چنگاریاں تو لامحدود جنگل کو بھسم کرنے کی صلاحیت کی حامل ہیں ۔

مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ آشیاں کے لیے

مطلب: یہ کائنات توآہ و فریاد سے لبریز ہے ایسی صورت میں نہ تو یہاں سیر گل کا تصور کیا جا سکتا ہے نا ہی مستقل رہائش گاہ کا۔ مراد یہ ہے کہ انسان علائق دنیوی میں مست ہوکر عشق حقیقی سے بے پرواہ ہو جائے تو یہ اس کی سب سے بڑی بھول ہے۔ اصل شے تو عشق حقیقی ہے جو منزل تک رسائی کے لیے ناگزیر ہے۔

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لیے

معانی: سفینہ: کشتی۔ بحرِ بیکراں: کھلا سمندر جس کا کنارہ نظر نہ آئے۔
مطلب: اس شعر میں علامہ نے فرد کی ذمہ داریوں کو وسیع تر مفاد کے پیش نظر اس امر کی رہنمائی کی ہے کہ چھوٹی چھوٹی خواہشات میں الجھ کر زندگی کے بنیادی مقاصد سے روگردانی کرنا دانشمندی نہیں۔ حقیقی مسئلہ تو منزل تک پہنچنے کا ہے۔

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے

مطلب: وہ لوگ جو ساری دنیا کی رہنمائی کے اہل تھے افسوسناک امر یہ ہے کہ آج خود کسی ایسے رہبر کے منتظر ہیں جو انھیں منزل تک پہنچا دے۔

نگہ بلند سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

مطلب: یہ شعر بھی اس سے قبل کے شعر کا تسلسل ہے جس میں حقیقی رہنما کی صفات کو اجاگر کیا گیا ہے ۔ اقبال کے نزدیک حقیقی رہنما وہ ہوتا ہے جو مسائل پر گہری نظر رکھتا ہو، گفتگو دل میں اتر جانے والی ہو اور دل سوز و گداز سے بھرپور ہو ۔

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لیے

مطلب: یہ شعر بھی ایک طرح سے گذشتہ دو شعروں کے پس منظر میں دیکھا جانا چاہیے کہ یہی وہ نکات تھے جنہیں اہل عجم نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے حالانکہ اہل دانش کے لیے تو یہ سیدھی سادی سی باتیں ہیں ۔

مرے گلو میں ہے اک نغمہ جبرئیل آشوب
سنبھال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لیے

مطلب: نظم کے اس آخری شعر میں اقبال نے کہا ہے کہ میری آواز میں تو ایک ایسی لے مستور جسے میں نے مستقبل کے لیے محفوظ کر رکھا ہے ۔ اس لے میں ایسی خصوصیت ہے جو پیغمبر آخر الزماں کے لیے وحی لے کر آنے والا فرشتہ جبرئیل بھی سن کر تڑپ اٹھے ۔ مراد یہ ہے کہ شاعر کے سخن میں کمال موجود ہو تو وہ فرشتوں کو بھی تڑپا کر رکھ دیتا ہے

(27)

توا ے اسیرِ مکاں ! لامکاں سے دور نہیں
وہ جلوہ گاہ ترے خاکداں سے دور نہیں

معانی: خاکداں : زمین ۔

مطلب: اس شعر میں اقبال انسان کی محدود سوچ کے حوالے سے بات کرتے ہیں کہ اگر وہ دوررس نگاہ کا حامل ہو تو اس کی رسائی لامکاں تک بھی ممکن ہے ۔ لامکاں جو نور مطلق کی خصوصی جلوہ گاہ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ انسان میں یہ صلاحیت موجود ہے تو اسے اس امر کی معرفت ہو سکتی ہے کہ نور مطلق کی خصوصی جلوہ گاہ زمیں سے زیادہ نہیں ہے ۔

وہ مرغزار کہ بیمِ خزاں نہیں جس میں
غمیں نہ ہو کہ ترے آشیاں سے دور نہیں

معانی: مرغزار: چراگاہ ۔

مطلب: پہلے شعر کے موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے علامہ کہتے ہیں کہ نور مطلق کی خصوصی جلوہ گاہ تو ہمیشہ پر بہار رہتی ہے ۔ اسے خزاں سے دور کا بھی واسطہ نہیں اس لیے تجھے رنجور ہونے کی ضرورت نہیں کہ یہ تیری دسترس سے بڑی حد تک نزدیک ہے ۔ اس تک رسائی حاصل کرنے کی صلاحیت تو اے انسان تجھ میں پیدا ہونی چاہیے ۔

یہ ہے خلاصہَ علمِ قلندری ، کہ حیات
خدنگِ جستہ ہے لیکن کماں سے دور نہیں

خدنگ جستہ : چلا ہوا تیر ۔

مطلب: معاملہ صرف اسی قدر ہے کہ اقبال کے مطابق قلندری کا جو فلسفہ ہے اس کے مطابق کائنات کا تعلق ہر صورت میں نور مطلق کے سرچشمہ سے ضرور رہتا ہے ۔ بالکل اسی طرح کہ جس طرح کمان سے نکلے ہوئے تیر کا رابطہ کسی نہ کسی طور پر کمان سے برقرار رہتا ہے ۔ یعنی یہ کہنا کافی نہیں کہ جو تیر کمان سے برآمد ہوئے اس کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ یہ تیر مخصوص کمان نے پھینکا ہے ۔ اس مسئلے کو انسان کی تخلیق اور خدائے عزوجل کے حوالے سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ ہر صورت میں انسان کا کچھ نہ کچھ ربط خالق مطلق سے لازمی ہوتا ہے

فضا تری مہ و پروین سے ہے ذرا آگے

قدم اٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں

مطلب: تیرا مقام اور تیری منزل اے انسان! بے شک چاند اور ستاروں سے آگے کچھ فاصلے پر واقع ہے ۔ مسلسل عمل اور جدوجہد سے آگے قدم بڑھایا جائے تو یہ مقام آسمان سے زیادہ دوری پر واقع نہیں ہے اس لیے کہ چاند اور ستارے تو خود آسمان کو آراستہ کرتے ہیں ۔

کھے نہ راہنما سے کہ چھوڑ دے مجھ کو

یہ بات راہروِ نکتہ داں سے دور نہیں

مطلب: رہرو: مسافر ۔ نکتہ داں : رمز سمجھنے والا ۔

مطلب: ایسی صورت حال میں جو رہنمائی کرنے والا منزل کی جانب لے جانے والی صلاحیتوں سے محروم ہو اور یوں منزل کے گم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو وہ رہرو جو عقل و دانش اور صورت حال کا مکمل ادراک رکھتا ہے وہ ایسے رہنما سے یقیناً منحرف ہو جائے گا ۔ مراد یہ ہے کہ دنیا میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو مذکورہ قسم کے رہنماؤں کی بھی اندھی تقلید پر آمادہ رہتے ہیں وہ جو صحیح یا غلط بات کہے اس کو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن وہ لوگ جو حقیقت سے بہرہور ہیں ایسے رہنماؤں سے اجتناب کرتے ہیں ۔

(28)

(یورپ میں لکھے گئے)

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ

معانی: حدیثِ رندانہ: شراب نوشوں کی باتیں ۔

مطلب: یہ اشعار بھی بقول اقبال انھوں نے یورپ کے دوران قیام لکھے ہیں ۔ اس شعر میں وہ کہتے ہیں کہ اپنی عقل سے میں فلسفیانہ انداز نظر کو حاصل کیا جب کہ عشق نے وہ طور طریقے سکھائے جو رندوں کے ہوتے ہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ میں نے عقل اور عشق دونوں سے ہی فیض حاصل کیا ہے ۔ یعنی جو شخص صاحب ادراک ہوتا ہے وہ زندگی کے ہر پہلو سے استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔

نہ بادہ ہے نہ صراحی، نہ دورِ پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ

معانی: بزمِ جانانہ: معشوق کی محفل ۔

مطلب: ایسا بھی محبوب ہو سکتا ہے جس کی محفل شراب، صراحی اور جام کی گردش کے بغیر محض اس کی نگاہ ناز سے رنگین ہو ۔

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم رازِ درونِ میخانہ

مطلب: میرے نغمے جن منتشر خیالات سے معمور ہوں انہیں شاعری نہ سمجھو کہ میں تو کائنات کے اکثر رازوں سے واقف ہوں اور وہی رازان اشعار کے ذریعے آشکار کر رہا ہوں ۔

کلی کو دیکھ کہ ہے تشنۂ نسیمِ سحر
اسی میں ہے مرے دل کا تمام افسانہ

معانی: تشنۂ نسیمِ سحر: صبح کی ہوا کی خواہش مند ۔
مطلب: میرا دل تو ایک ایسی کلی کے مانند ہے جو پھول بننے کے عمل تک نسیم صبح کی طرح معطر ہو ۔ چنانچہ میں بھی اپنی تکمیل اسی صورت میں کر سکتا ہوں جب عشق حقیقی کا ادراک حاصل کر لوں ۔ مطلب ہے کہ کلی کی طرح میرا دل بھی محبوب کے التفات کے بغیر شگفتہ نہیں ہو سکتا ۔

کوئی بتائے مجھے یہ غیاب ہے کہ حضور
سب آشنا ہیں یہاں ایک میں ہوں بیگانہ

معانی: غیاب: پوشیدہ ۔ حضور: ظاہر ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ کوئی مجھے اس حقیقت سے باخبر کر دے کہ دنیا میں میرے علاوہ سب لوگ ہی حقیقت شناس ہیں ۔ صرف میں ہی حقیقت سے بیگانہ ہوں ۔ نہ جانے یہ محبوب کی بارگاہ میں باریابی کا اثر ہے یا وہاں تک رسائی نہ ہونے سے محرومی کا ۔

فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
مرے جنوں کو سنبھالے اگر یہ ویرانہ

مطلب: یورپ میں شاید چند دن اور قیام کر لیتا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہاں ایسا ماحول موجود نہیں جس میں میرا نقطہ نظر سمجھا جا سکے ۔

مقامِ عقل سے آساں گزر گیا اقبال
مقامِ شوق میں کھویا گیا وہ فرزانہ

معانی: فرزانہ: صاحبِ عقل ۔
مطلب: نظم کے اس آخری شعر میں علامہ فرماتے ہیں کہ عقل کی منزل سے تو میں با آسانی گزر گیا لیکن مقام شوق سے گزرتے ہوئے بے شمار رکاوٹیں آئیں ۔ مراد یہ ہے کہ عقل و خرد کے مقابلے میں عشق کی منزل بڑی کٹھن ہے ۔

(29)

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر

معانی: نالوں کا جواب: فریاد یا دعاؤں کا جواب ۔ خطاب: سامنے ہو کر گفتگو کرنا ۔ حجاب: پردہ ۔
مطلب: آسمانوں سے بالاخر بقول اقبال میری فریاد کا جواب آنے لگا ہے ۔ نور مطلق کے حجابات بھی اٹھنے لگے ہیں اور میرا محبوب مجھ سے مخاطب بھی ہونے لگا ہے ۔ یہ شعر فی الحقیقت معرفت الہٰی کا مظہر ہے ۔

احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا
سوز و تب و تاب اول، سوز و تب و تاب آخر

معانی: احوال: کیفیتیں ۔ سوز: خلش، تپش، جلنا ۔ تب و تاب: عشق کے سبب بے قراری ۔
مطلب: دراصل اظہار محبت کے معاملات میں کچھ زیادہ فرق بھی نہیں ہے ۔ اس کے آغاز میں سوز و گداز اور اضطراب سے عاشق کو واسطہ پڑتا ہے اور اس کا انجام بھی انہی جذبوں پر ہوتا ہے ۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر

معانی: تقدیر امم: قوموں کی تقدیر ۔ شمشیر و سناں: تلوار و نیزے ۔ طاؤس و رباب: باجا اور سارنگی مراد عیش و عشرت ۔
مطلب: میرے لیے یہ بتانا چنداں مشکل نہیں کہ قوموں کی تقدیر کس طرح عروج و زوال کے مراحل سے گزرتی ہے کہ ان کا عروج اس وقت تک قائم رہتا ہے کہ جب تک وہ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر دشمن سے میدان جنگ میں نبرد آزما رہتی ہیں ۔ بالفاظ دگر عملی

جدوجہد میں مصروف رہتی ہیں اور ان مراحل سے گزرنے کے بعد جب وہ عیش و عشرت اور راگ و رنگ میں مصروف ہو جائیں تو یہ سمجھ لو کہ ان کا زوال شروع ہو گیا ۔

میخانۂ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرورِ اوّل، دیتے ہیں شراب آخر

مطلب: اس شعر میں اقبال نے غیر ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ یورپ کے طرزِ عمل اور اس کی نفسیات سے آگاہ کیا ہے کہ یہاں کے استعمار پسند طبقے ضرورت مند ممالک کو پہلے ہمدردی اور دولت کی جھلکیاں دکھاتے ہیں اس کے بعد اپنے مفاد کی تکمیل کے لیے کچھ مادی امداد بھی فراہم کر دیتے ہیں تا کہ ان پر تسلط برقرار رہے ۔ مراد یہ کہ پہلے تو ترقی پذیر قوموں کو حرص و ہوس کے دام میں پھنساتے ہیں اس کے بعد دکھاوے کے لیے کچھ مدد بھی کر دیتے ہیں ۔

کیا دبدبۂ نادر ، کیا شوکتِ تیموری
ہو جاتے ہیں سب دفتر غرقِ مئے ناب آخر

معانی: دبدبۂ نادر: نادر بادشاہ کا رعب ۔ شوکتِ تیموری: مغلیہ خاندان کی شان و شوکت ۔ دفتر: کتاب ۔ غرق مئے ناب: خالص شراب میں غرق مراد یہ ہے کہ شراب نے عام لوگوں کو کیا بادشاہوں اور حکمرانوں کو بھی آخر کار تباہ و برباد کر دیا ۔
مطلب: نادر شاہ اور تیمور جیسے حکمرانوں کے دبدبے اور شوکت و بالآخر شراب و کباب نے تباہ کر کے رکھ دیا مراد یہ ہے کہ جب تک حکمران با عمل اور جدوجہد میں مصروف رہتے ان کے عروج کا سلسلہ جاری رہتا ہے ۔ لیکن جب عیش و عشرت میں پڑ گئے تو پھر یہ عروج ، زوال میں تبدیل ہو کر رہ جاتا ہے ۔ نادر شاہ اور تیمور دونوں کے ساتھ بھی یہی ہوا ۔

خلوت کی گھڑی گزری، جلوت کی گھڑی آئی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر

معانی: جلوت: محفل، آشکار ہونا ۔ آغوشِ سحاب: بادل کی گود ۔
مطلب: اب وہ مرحلہ آگیا ہے کہ محبوب حجاب سے نکل کر عام سطح پر جلوہ گر ہونے والا ہے ۔ بالکل اسی طرح کہ برق بادلوں میں چھپی رہتی ہے تو اس کا پتہ نہیں چلتا لیکن بادلوں سے نکل کر اس کی چمک ماحول کو خیرہ کر دیتی ہے ۔

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

معانی: سیلِ معانی: معنی کی بے پناہ وسعت ۔ ضبط: روکنا ۔ قلندر: یعنی درویش، خود اقبال ۔ اسرار کتاب: کتاب کے راز ۔
مطلب: نظم کے اس آخری شعر میں اقبال خود کو قلندر سے منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے لیے اب ضبط کرنا مشکل ہو گیا اس لیے میں نے قرآن پاک کے اسرار و رموز اپنے اشعار میں بیان کر دیئے ہیں ۔

(30)

ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
کیا چاند تارے، کیا مرغ و ماہی

معانی: اس دنیا کی ہر شے مسافرت کے عالم میں ہے اور متحرک ہے ۔ ان میں خواہ چاند اور ستارے ہوں یا پھر مچھلیاں اور پرندے ۔ سب کے سب سفر میں ہیں ۔

تو مردِ میداں تو میرِ لشکر
نوری حضوری تیرے سپاہی

معانی: اے عظیم المرتبت انسان! اس دنیا میں تیری حیثیت سب سے زیادہ بلند اور تو میر لشکر ہے ۔ جب کہ فرشتے اور قدسی تیرے لشکر کے سپاہی اور تابع فرمان ہیں ۔

کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی
یہ بے سوادی یہ کم نگاہی

معانی: بے سوادی: کم ظرفی ۔
مطلب: افسوس اس امر کا ہے کہ تو اپنے مرتبے سے خود آگاہ نہیں ہے اس کا ثبوت تیری بے عملی اور کج نگاہی ہے جس کے سبب تو اس شعور اور ادراک سے محروم ہو کر رہ گیا ہے جو قدرت نے تجھے ودیعت کیا تھا ۔

دنیائے دُوں کی کب تک غلامی
یا راہبی کر ، یا پادشاہی

معانی: دنیائے دُوں : حقیر، بے عزت دنیا ۔ راہبی کر: ترکِ دنیا کر ۔

مطلب: توکب تک اس دنیا کی غلامی کرتا رہے گا اس سے نجات حاصل کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو رہبانیت اختیار کر کے علائق دنیوی سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جا یا پھر عملی جدوجہد کر اور ہمت و تدبیر سے کام لے کر دنیا کو تسخیر کر لے اور اپنی حکمرانی قائم کر ۔ صرف انہی صورتوں میں تو غلامی سے نجات پا سکتا ہے ۔

پیرِ حرم کو دیکھا ہے میں نے
کردار بے سوز ، گفتار واہی

مطلب: میں تو اس شیخ حرم کو بھی دیکھ چکا ہوں جو کعبے کا متولی ہے اور جسے اسلامی دنیا اپنا روحانی رہنما تصور کرتی ہے لیکن اس کی حالت یہ ہے کہ بے عمل ہے سیرت و کردار کے اعتبار سے سچائی اور حقیقت سے بے بہرہ ہے ۔ حد تو یہ ہے کہ اس کی گفتگو تک بے سروپا اور لغو اور واہ واہی کے لیے ہوتی ہے ۔

(31)

ہر چیز ہے محوِ خود نمائی

ہر ذرّہ شہیدِ کبریائی

معانی: خود نمائی: اپنا آپ دکھانا ۔ کبریائی: بڑائی ۔

مطلب: عجیب بات ہے کہ اس دنیا میں ہر شے خود کو نمایاں کرنے میں مصروف ہے اور ایک معمولی ذرہ بھی خود کو بڑا بنانے کی تگ و دو کر رہا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے نمائش کا شکار ہے اور اپنی حقیقت سے بے نیاز ہو کر رہ گئی ہے ۔

بے ذوقِ نمود زندگی، موت

تعمیرِ خودی میں ہے خدائی

معانی: اس کے برعکس یہ بھی درست ہے کہ زندگی میں ذاتی کمالات کی نمائش کا جذبہ موجود نہ ہو تو پھر ایسی زندگی یقیناً موت کے مانند ہے ۔ دیکھا جائے تو خودی کی تعمیر میں ہی خدائی اوصاف پوشیدہ ہوتے ہیں ۔

رائی زورِ خودی سے پربت

پربت ضعفِ خودی سے رائی

معانی: پربت: پہاڑ ۔ رائی: چھوٹے چھوٹے دانے ۔

مطلب: ایک معمولی سے انسان میں بھی خودی کا جذبہ پرورش پا رہا ہو تو پہاڑ کی مانند بلند و مستحکم ہوتا ہے ۔ اس کے برعکس اس میں خودی نہ ہو تو وہ کسی بھی حیثیت کا حامل نہیں رہتا ۔

تارے آوارہ و کم آمیز

تقدیر وجود ہے جدائی

مطلب: ستاروں کا جائزہ لو تو اندازہ ہو گا کہ وہ آسمان کو درخشاں کرنے کے باوجود ایک دوسرے سے الگ الگ آوارہ سرگرداں پھر رہے ہیں ۔ اس سے یہ مطلب اخذ کرنا مناسب ہو گا کہ کسی بھی شے کا مقدر جدائی کا حامل ہوتا ہے ۔

یہ پچھلے پہر کا زرد رُو چاند

بے راز و نیاز آشنائی

معانی: زرد رُو چاند: جب چاند کا نور کم ہو جائے ۔

مطلب: رات کے پچھلے پہر میں چاند کا چہرہ زرد نظر آتا ہے ۔ یوں لگتا ہے کہ وہ آشنائی کے راز و نیاز سے واقف ہی نہیں اور ستاروں سے جدائی کا خوف اس پر مسلط ہو گیا ہے ۔

تیری قندیل ہے ترا دل

تو آپ ہے اپنی روشنائی

مطلب: اس شعر میں اقبال انسان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تیرا دل تو قندیل کی طرح روشن ہے تو یقیناً کسی قسم کی چاندنی کا محتاج نہیں بلکہ تو تو خود ہی چراغ راہ کی طرح روشنی سے معمور ہے ۔

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں

باقی ہے نمودِ سیمیائی

معانی: سیمیائی: جادوگری ۔

مطلب: محض اک تیری ذات ہی ہے جو اس دنیا میں حقیقی وجود کی حامل ہے ۔ اس کے سوا اور جو کچھ ہے وہ مصنوعی ہونے کے ساتھ واہمہ اور خیال کی کرشمہ سازی ہے ۔ ان تمام اشعار میں علامہ نے موجود اشیاء کے بالمقابل انسانی عظمت کو پیش کیا ہے اور کسی طور پر بھی دوسری اشیاء کے مقابلے پر انسان کے احترام و وقار کو نسبتاً زیادہ اہمیت دی ہے ۔

ہیں عقدہ کشا یہ خارِ صحرا
کم کر گلہَ برہنہ پائی

معانی: عقدہ کشا: راز کھولنے والا ۔ برہنہ پائی: ننگے پاؤں ۔

مطلب: اس آخری شعر میں بھی اقبال انسان سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تو اپنے سامنے کی مشکلات اور مسائل سے نہ گھبرا کہ ان مشکلات و مسائل سے عہد بر ہونا ہی تو جہد مسلسل اور عزم و ہمت کی دلیل ہے ۔ یہ درست ہے کہ ان مشکلات کو حل کرنے کے لیے تیرے پاس وسائل محدود ہیں ۔ اس کے باوجود تو اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ ان محدود وسائل کو ہی عروج کا زینہ بنائے ۔

(32)

اعجاز ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
ٹوٹا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ

معانی: اعجاز: معجزہ ۔ سحر: جادو ۔ فرنگیانہ: انگریز کا طور طریقہ ۔
مطلب: اس نظم کے مطلع میں اقبال اپنے عہد کی عالمی صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یورپ کی نئی ایجادات اور عسکری قوت کے باوجود آج پورے ایشیائی ممالک میں اس کے خلاف مزاحمتی تحریکوں کا زور شور سے جاری ہونا جہاں ان ممالک کے لوگوں کی بیداری کی دلیل ہے وہاں یورپی استعمار کی عملاً ناکامی کو یا تو زمانے کی گردش کہا جا سکتا ہے یا پھر معجزے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔

تعمیرِ آشیاں سے میں نے یہ راز پایا
اہلِ نوا کے حق میں بجلی ہے آشیانہ

معانی: اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ وہ لوگ جو آزادی اور زندگی کا مکمل شعور اور ادراک رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ غیر ضروری بار خود پر مسلط کرنے کے مقابلے میں بے سروساماں رہنا بھی بہتر ہے ۔ یہی ایک سچے انسان کی شان بے نیازی ہے ۔

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن ، یا بندۂ زمانہ

مطلب: ایک بندگی تو خدائے عزوجل کے سایہ عاطفت میں حاصل ہونے والی شے ہے اور دوسری بندگی محض مادی مفادات تک محدود ہوتی ہے ۔ یہ بندگی کی دو حقیقتیں ہیں ۔ اے انسان! اب یہ تیری صوابدید پر منحصر ہے کہ تو خدا کا بندہ بنتا ہے یا مادی مفادات کے لئے زمانے کا ۔

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

مطلب: اپنی خودی کا تحفظ کر اور اس سے غافل نہ ہو جا کہ شاید یہی خودی تیرے لیے عزت و وقار کا وسیلہ بن جائے ۔

اے لا الہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ ، کردارِ قاہرانہ

معانی: دلبرانہ: دل پسند ۔ قاہرانہ: زبردست ۔

مطلب: حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ تو جس پر اپنی قاہرانہ نگاہ ڈالتا تھا اس کا سینہ خوف سے دہل جاتا تھا ۔ لیکن اب افسوسناک امر یہ ہے کہ درویشی کی یہ صلاحیت بھی تجھ میں ختم ہو کر رہ گئی ہے ۔

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

معانی: حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ تو جس پر اپنی قاہرانہ نگاہ ڈالتا تھا اس کا سینہ خوف سے دہل جاتا تھا ۔ لیکن اب افسوسناک امر یہ ہے کہ درویشی کی یہ صلاحیت بھی تجھ میں ختم ہو کر رہ گئی ہے ۔

رازِ حرم سے شاید اقبال باخبر ہے
ہیں اس کی گفتگو کے انداز محرمانہ

معانی: اندازِ محرمانہ: جاننے والا ۔

مطلب: یوں محسوس ہوتا ہے کہ بقول اقبال میں کعبے کے بھیدوں سے پوری طرح واقف ہو چکا ہوں ۔ حرم کے تمام راز مجھ پر منکشف ہو چکے ہیں ۔ اس لیے کہ لوگوں کے نزدیک میں ان سے جو مکالمہ کرتا ہوں اس کا ماحصل یہی ہے ۔

(33)

خردمندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں کہ میری انتہا کیا ہے

معانی: خردمندوں: عقل مندوں۔ فکر: سوچ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال نے انسان کے وجود میں آنے اور اس کے مقاصد زندگی کے حوالے سے اشارتاً بات کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس حقیقت سے تو ہر شخص آگاہ ہے کہ وہ کس طرح سے تخلیق کیا گیا لیکن میرے نزدیک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ کیوں تخلیق کیا گیا اور پیدائش سے موت تک کا جو سفر ہے اس کے مقاصد کیا ہیں۔ اس کا نصب العین کیا ہے۔ یہی وہ بنیادی سوال ہے جس کا صحیح جواب انسان اور معاشرے میں انقلاب کی راہ ہموار کر سکتا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

معانی: رضا: مرضی۔
مطلب: یہ شعر اقبال کے ان اشعار میں سے ہے جنہیں ضرب الامثال کی حیثیت دی جاتی ہے۔ اس شعر میں وہ کہتے ہیں کہ انسان خودی کو انتہائی بلندی اور عروج پر لے جائے تو خالق دوجہاں اس پر مہربان ہو کر اپنی رضا اور اس انسان کی سوچ میں ایک طرح کی ہم آہنگی پیدا کر لیتا ہے۔ یہ مقام خدا سے انسان کی انتہائی قربت کی دلیل ہے۔

مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں
یہی سوزِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے

معانی: کیمیا گر: سونا بنانے والا ۔ سوزِ نفس: جذبہ عشق کی حرارت ۔

مطلب: میرے اقوال اور اشعار میں جو تاثر اورر سوز و گداز موجود ہے اس کے بارے میں استفسار بے معنی سی بات ہے ۔ میں انسان سے محبت کرتا ہوں اس کے اور اقوام کے مسائل کا ہمدردی اور سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیتا ہوں ۔ یہی رویہ بقول اقبال میرے کلام میں وہ تاثر اور سوز و گداز پیدا کرتا ہے جس کو سن کر یا پڑھ کر کوئی بھی شخص اپنے آپ کو حقیقی زندگی میں بدلنے پر آمادہ ہو جاتا ہے ۔

نظر آئیں مجھے تقریر کی گہرائیاں اس میں
نہ پوچھ اے ہم نشیں مجھ سے، وہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

معانی: چشمِ سرمہ سا: وہ آنکھ جس میں بہت کشش ہو ۔ ہم نشیں : ساتھ بیٹھنے والا ۔
مطلب: جب میں نے اپنے محبوب کی خوبصورت آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکنے کی کوشش کی تو مجھے حقیقی صورت حال کے بارے میں کسی حد تک اندازہ ہوا اور میں اسی قدر جان سکا کہ اس کے ذہن میں میری قدر و قیمت کیا ہے مراد یہ ہے کہ حقیقی عشق میں حبیب اور محبوب کے وجود کا ہر جزو ان کے جذبوں کا آئینہ دار ہوتا ہے اور معمولی سی کوشش سے اس امر کا اندازہ کرنے میں دشواری نہیں ہوتی کہ محبوب کے دل میں کیا ہے اس کی سوچ کیا ہے

اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

معانی: مجذوبِ فرنگی: جذب و مستی کی حالت میں غرق یورپی دانشور، جرمنی کا مشہور مجذوب فلسفی نیٹشا جو اپنے قلبی واردات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط راستہ پر ڈال دیا ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال نے نٹشے کے فلسفیانہ نقطہ نظر کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر نٹشے میرے عہد میں ہوتا تو میں اس کو مقام کبریا سے ضرور آشنا کرتا ۔ یہ وہ فلسفی تھا جس نے غالباً سب سے پہلے سپر مین یعنی فوق البشر کا نظریہ پیش کیا جس کے مطابق دنیا کی سب سے بڑی نیکی قوت ہے اور طاقتور انسان ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ کمزور لوگوں پر حکومت کرے ۔ اقبال کے نزدیک نٹشے

میں ایمان کا جوہر تو موجود تھا لیکن اس کو کوئی حقیقی رہنما نہ مل سکا ۔ مزید یہ کہ ذاتی فلسفیانہ افکار نے اسے غلط راستے پر ڈال دیا ۔ اقبال کہتے ہیں کہ میرے عہد میں وہ زندہ ہوتا تو فوق البشر کی تعریف اسے بتاتا کہ روحانی سطح پر ہی سیرت و کردار کی تعمیر سب سے بڑی نیکی ہے ۔ اور اسی کے ذریعے انسان فوق البشر بن سکتا ہے نیز مقام کبریا سے بھی آگاہ ہو سکتا ہے ۔

نوائے صبحگاہی نے جگر خوں کر دیا میرا
خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے

معانی: نوائے صبح گاہی: صبح سویرے اٹھ کر اللہ کے حضور گڑگڑانا ۔ جگر خوں کر دیا: جگر جو لہو بناتا ہے اس کا بھی لہو بہا دیا ۔ مراد اپنے آپ کو فنا کر دیا ۔

مطلب: اقبال اس شعر میں کہتے ہیں کہ جب میں صبحدم بیدار ہوتا ہوں اور معاشرتی صورت حال کا منظر سامنے آیا بالخصوص مسلمانوں کی پستی اور زوال کے بارے میں سوچتا ہوں تو دل خون ہو کر رہ جاتا ہے ۔ اس لمحے لاشعوری طور پر خدا سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ اے پالنے والے ۔ آخر میں نے ایسی کون سی خطا کی تھی جس کی یہ سزا مجھے مل رہی ہے

(34)

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

مطلب: عشق ہی وہ حقیقت ہے جو انسان کو معرفت ذات سے آشنا کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ غلاموں کو بھی اس حقیقت کا ادراک ہو جائے تو شہنشاہی کے رازوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور ان میں وہ جوہر پیدا ہو جاتا ہے جو غلامی کی نفی کا اہل ہوتا ہے ۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

مطلب: اس شعر میں اقبال خواجہ فرید الدین عطا، مولانا روم، امام رازی اور امام غزالی جیسے دانشوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تنہا علم زندگی کے مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے میں مددگار ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے انقلابی سوچ اور عمل درکار ہوتے ہیں ۔ اور یہ سب کچھ معرفت الہٰی سے ہی حاصل ہوتا ہے اور معرفت الہٰی نماز شب کے اوقات میں اللہ کے حضور گڑگڑانے سے ہی حاصل ہوتی ہے ۔

نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

معانی: فرزانہ: عقل مند ۔ کم کوش: کوشش میں سست ۔
مطلب: یہاں اقبال اہل دانش راہ نماؤں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ بے شک تمہارے مقلدین تن آساں اور بے عمل ضرور ہیں

۔ ان میں پہلے سی جفاکشی بھی باقی نہیں رہی ۔ پھر بھی ان سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کہ صحیح رہنمائی پر ان میں عمل کی صلاحیت بہرحال موجود ہے ۔

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

مطلب: اقبال کا یہ شعر بھی عام طور پر زباں زد عام ہے جس میں انھوں نے علامتی حوالے سے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس رزق سے موت بہتر ہے جو عملی جدوجہد کی راہ میں رکاوٹ بنے ۔ یعنی ایسا رزق جو کشکول گدائی کے ذریعے حاصل ہو تو اس کے بجائے تو مر جانا بہتر ہے ۔ اس لیے کہ پاکیزہ رزق وہ ہے جو قوت بازو سے حاصل کیا جائے اس میں کسی دوسرے کی عنایات کا شائبہ تک نہ ہو ۔ اس شعر میں علامہ نے اپنے نقطہ نظر کو بڑے عالمانہ اور حکیمانہ انداز میں بیان کیا ہے ۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

معانی: اولیٰ: پہلے درجے پر بلند ۔ اسد اللّٰہی: حضرت علی جیسی بہادری ۔
مطلب: وہ مرد درویش تو دارا و سکندر جیسے عظیم المرتبت بادشاہوں کے مقابلے پر اعلیٰ مرتبے کا حامل ہے جس درویشی میں شیر خدا حضرت علی علیہ السلام کی حاکمانہ بصیرت اور اولولعزمی کی جھلکیاں ہوں ۔ مراد یہ ہے کہ وہ مرد درویش جو حضرت علی مرتضیٰ کی صفات سے استفادہ کرنے کی صلاحیت کا حامل ہے وہ بڑے بڑے عالی مرتبت بادشاہوں سے بھی بلند مرتبہ رکھتا ہے ۔

آئینِ جواں مرداں ، حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

معانی: روہباہی: لومڑی کی بزدلی ۔

مطلب: یہ شعر بھی اقبال کے ان مشہور اشعار میں سے ہے جو زبان زد خواص و عام ہیں ۔ اس شعر کی شرح کچھ اس طرح سے ہے کہ جوانمردوں کا مسلک تو انتہائی جرات مندانہ انداز میں صداقت کا اظہار کرنا ہے اس لیے کہ ایسے لوگ تو شیروں کی سی فطرت کے حامل ہوتے ہیں جن میں لومڑیوں کے مانند بزدلی اور مکاری کا شائبہ تک نہیں ہوتا ۔

(35)

مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
تھم اے رہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا

مطلب: زندگی میں شاید پھر کوئی ایسا مشکل مقام آپہنچا ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے میرے لیے نصف شب کے وقت بیدار ہو کر بارگاہ ایزدی میں دعا اور فریاد کا پیغام ملا ہے کہ اس نوع کی مشکلات سے گزرنے کا طریق کار ہی یہی ہے ۔

ذرا تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی
کہ اس جنگاہ سے میں بن کے تیغِ بے نیام آیا

معانی: جنگاہ: میدانِ جنگ ۔ تیغِ بے نیام: ننگی تلوار ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ تقدیر کی گہرائیوں میں ڈوب کر میں اب ایسی تلوار کے مانند برآمد ہوا ہوں جو نیام کی حامل ہی نہیں ہو سکتی ہے ۔ وہ اہل ملت سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تم بھی اسی طریق پر عمل کر کے مجھ جیسے ہو جاوَ ۔

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا

معانی: وقتِ قیام: کھڑا ہونے کا وقت ۔
مطلب: اس شعر میں سجدے اور قیام کی علامتوں کے حوالے سے اقبال نے کہا ہے کہ اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ جب مسلمانوں کے لیے جدوجہد اور عمل کا وقت آتا ہے تو ان کے ارادے کمزور پڑ جاتے اور عزم و حوصلہ جواب دے جاتے ہیں یعنی بے عملی نے ان پر مایوسی کی فضا طاری کر دی ہے ۔

چل اے میری غریبی کا تماشا دیکھنے والے
وہ محفل اٹھ گئی جس دم تو مجھ تک دورِ جام آیا

معانی: حضرت علی مرتضیٰ کا قول ہے کہ جس کا کوئی دوست نہیں ہوتا، غریب ہوتا ہے ۔ اس شعر میں اقبال نے اپنی غربت کا ذکر غالباً اسی حوالے سے کیا ہے کہ میری غربت کا تماشا دیکھنے والے شاید حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں کہ وہ لوگ تو اب محفل سے رخصت ہو چکے ہیں جو میرا پیغام سننے کے اہل تھے ۔

دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ اک مردِ تن آساں تھا، تن آسانوں کے کام آیا

معانی: مردِ تن آساں : سست آدمی ۔
مطلب: میں نے اپنا تمام سوز دروں ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں میں منتقل کر دیا ہے ۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں تو خود ایک کمزور اور بے عمل شخص تھا اور ہندی مسلمانوں کی صفات بھی کچھ اسی نوعیت کی ہیں سو انہیں پیغام پہنچانے والا بھی ایک تن آسان شخص مل گیا ۔

اُسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہیں زیرِ دام آیا

معانی: جستجو: کوشش کرنا ۔ زیرِ دام: قابو میں ۔
مطلب: میں برسوں سے اسی اقبال کی تلاش میں تھا میرے باطن سے جس کا تعلق ہے اور جو شاہیں صفت ہے تاہم خوش قسمت ہوں کہ ایک مدت کے بعد اپنے دام میں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو سکا ہوں ۔

(36)

نہ ہو طغیانِ مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی
کہ میری زندگی کیا ہے یہی طغیانِ مشتاقی

معانی: طغیان: زیادتی ۔ مشتاقی: شوق ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ میرے دل میں جذبہ عشق ایک طوفان کے مانند موجزن ہے اس لیے کہ عشق میری فطرت کا بنیادی مسئلہ ہے ۔ صورت احوال یہ ہے کہ میرے دل میں اگر عشق موجزن نہ ہو تو اس حالت میں زندہ نہیں رہ سکتا کہ عشق کا یہی طوفان تو میری زندگی کو متحرک رکھتا ہے ۔

مجھے فطرت نوا پر پے بہ پے مجبور کرتی ہے
ابھی محفل میں ہے شاید کوئی درد آشنا باقی

مطلب: میری فطرت شاید اسی لیے شعری تخلیق پر مجبور کرتی رہتی ہے کہ ابھی دنیا میں کچھ لوگ ایسے باقی ہیں جو میرے اشعار اور ان میں پوشیدہ پیغام کو سمجھنے کے اہل ہیں ۔

وہ آتش آج بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے
طلب صادق نہ ہو تیری تو پھر کیا شکوہَ ساقی

مطلب: جس طرح عشق حقیقی نے تیرے اسلاف کے دل میں گھر کر لیا تھا اسی طرح یہ تیرے دل میں گھر کر سکتا ہے لیکن اس کے لیے طلب صادق کی ضرورت ہے ۔ طلب صادق ہی موجود نہ ہو تو پھر خدا سے گلہ کیسا

نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی برّاقی

معانی: تابناکی: چمک دمک ۔ جوہر: موتی ۔ براقی: چمک ۔
مطلب: اس سے بڑی حماقت کیا ہے کہ تو تہذیب مغرب میں خوبیاں اس کی ظاہری چمک دمک سے کر رہا ہے ۔ یہ تو سراسر جعلی نمائش ہے اور جس طرح بجلی کا چراغ روشن ہو تو ماحول بھی منور ہو جاتا ہے لیکن بجلی بند ہونے پر بالاخر تاریکی ہی پھیل جاتی ہے تہذیب مغرب کی چمک دمک کی مثال بھی کچھ اسی نوعیت کی ہے ۔

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو اندازِ آفاقی

معانی: آفاقی: آسمانی ۔
مطلب: دلوں میں تمام عالم کو تسخیر کرنے کا جذبہ اسی صورت میں بیدار ہوتا ہے کہ نگاہوں میں عالمگیری کا انداز بھی پیدا ہو جائے ۔

خزاں میں بھی کب آسکتا تھا میں صیاد کی زد میں
مری غماز تھی شاخِ نشیمن کی کم اوراقی

معانی: مری غماز: چغل خور ۔ کم اوراقی: تھوڑے پتے ۔
مطلب: انتہائی برے حالات میں بھی میں دشمن کے تیروں کا ہدف نہیں بن سکتا لیکن بد قسمتی سے وسائل بھی ختم ہو گئے یوں میں اس کا نشانہ بن گیا ۔

الٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خلاّقی

معانی: حالات اس امر کی غمازی کر رہے ہیں کہ جو ہم نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے جو تدبیریں کی ہیں وہ بھی بدل کر رہ جائیں گی اور ایک بار پھر تقدیر بھی پلٹا کھائے ۔ یہ نکتہ محض میرے ذہن کی تخلیق نہیں بلکہ سامنے کی حقیقتوں پر مبنی ہے ۔ مراد یہ ہے کہ معاشرے میں اس تیزی کے ساتھ تبدیلیاں آ رہی ہیں کہ سب کچھ الٹ پلٹ کر رہ جائے گا ۔

(37)

فطرت کو خرد کے رو برو کر
تسخیرِ مقامِ رنگ و بو کر

معانی: خرد: عقل ۔ تسخیر: فتح پانا، فتح حاصل کرنا ۔ مقامِ رنگ و بو: دنیا کا مقام ۔
مطلب: دنیا کی تسخیر کا بنیادی طریقہ یہ ہے کہ اپنی فطری صلاحیتوں کے ساتھ عقل سلیم سے بھی کام لے اسی صورت میں تو کامیابی کی منزلیں طے کر سکتا ہے ۔

تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر

مطلب: یوں محسوس ہوتا ہے کہ تو نے اپنی خودی کو ضائع کر دیا ہے اگر تو کامیابی کے مراحل طے کرنے کا خواہاں ہے تو پھر اس کھوئی ہوئی شے کو پھر سے تلاش کر لے ۔ مراد یہ کہ خودی وہ جوہر ہے جس کے بغیر انسان زندگی میں کسی مرحلے پر بھی کامیاب نہیں ہو سکتا ۔

تاروں کی فضا ہے بیکرانہ
تو بھی یہ مقامِ آرزو کر

معانی: بیکرانہ: بہت وسیع، کنارے کے بغیر ۔
مطلب: جس طرح آسمان کی وسعتوں میں لامحدود طریق پر ستارے دمک رہے ہیں تو بھی اپنی صلاحیتوں کو اسی نوع کی وسعت سے ہم کنار کر ۔

عریاں ہیں ترے چمن کی حوریں
چاکِ گل و لالہ کو رفو کر

معانی: چمن کی حوریں : استعارہ، مسلمانوں کو کہا گیا ۔ چاکِ گل و لالہ : پھولوں کے زخم، مراد مسلمان ۔ رفو: سینا ۔

مطلب: تیری دنیا کی کتنی دوشیزائیں مکمل لباس سے محروم ہیں ۔ اس لیے لازم ہے کہ ان کی تن پوشی کا اہتمام کر ۔

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا، وہ تو کر

معانی: بے ذوق: جس میں کوئی صلاحیت نہ ہو ۔

مطلب: ہرچند کہ فطرت بھی بے ذوق نہیں ہے اس کے باوجود جو کام وہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکی اسے تو اپنی جدوجہد اور عمل سے مکمل کر لے ۔

(38)

یہ پیرانِ کلیسا و حرم ! اے وائے مجبوری
صلہ ان کی کدوکاوش کا ہے سینوں کی بے نوری

معانی: کلیسا: گرجا ۔ حرم: کعبہ ۔ کدو کاوش: کوشش ۔
مطلب: اقبال نے اس شعر میں کلیسا اور حرم کے پیشوا کی بے عملی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا سینہ چونکہ عشق الہٰی سے خالی ہے اس لیے انھوں نے مذہب کے حوالے سے جو بھی کوششیں کیں وہ بیکار گئیں ۔ مراد یہ کہ ان لوگوں نے اشاعت دین کا جو طریقہ اختیار کیا وہ رائیگاں گیا ۔ اس لیے کہ یہ لوگ خود دین سے مخلص نہ تھے ۔

یقیں پیدا کر اے ناداں ! یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی، کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

معانی: فغفوری: بادشاہت ۔
مطلب: یقین کامل کے بغیر درویشی بھی ہاتھ نہیں آتی ۔ اے بے خبر! یاد رکھ کہ یقین کامل ہی سے بادشاہی کا حصول ممکن ہے ۔

کبھی حیرت، کبھی مستی، کبھی آہِ سحر گاہی
بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا دردِ مہجوری

معانی: دردِ مہجوری: بچھڑنے کا درد ۔
مطلب: محبوب کے عشق میں انسان کے سامنے کیسے کیسے مرحلے آتے ہیں ۔ کبھی حیرت اور مایوسی اس کا مقدر بن جاتی ہے کبھی

وصال محبوب سے مست ہو جاتا ہے اور کبھی ساری ساری رات جاگ کر ٹھنڈی آہیں بھرتا رہتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عمل کتنے ہی رنگ بدلتا رہتا ہے ۔

حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری

مطلب: عشق و مستی کا معاملہ دیکھا جائے تو انسانی فہم سے بالاتر ہے ۔ بات جو سمجھ میں آتی ہے محض اسی قدر کہ محبوب سے دوری کا عمل دل کے لیے موت حیثیت اختیار کر جاتا ہے ۔

وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبورِ پیدائی
مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسبابِ مستوری

معانی: مستوری: چھپ جانا ۔
مطلب: محبوب تو اپنے حسن کو ہر نہج پر نمائش کرتا رہتا ہے لیکن میرے پیش نظریہ ہے کہ وہ کسی حد تک حجاب میں رہے ۔

کوئی تقدیر کی منطق کو سمجھ سکتا نہیں ورنہ
نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کم ترکانِ تیموری

معانی: منطق: بات ۔ ترکانِ عثمانی: ترکی کے باشندے ۔ ترکانِ تیموری: نسل تیمور کے مغل ۔
مطلب: تقدیر کے معاملات کوئی بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ۔ اس کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ ترکان عثمانی سے ترکان تیموری یعنی مغل کسی اعتبار سے بھی کم نہ تھے لیکن اول الاذکر نے اپنی عملی جدوجہد اور اتفاق و اتحاد سے چھینا ہوا اقتدار واپس لے لیا جب کہ مغل اپنی حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔

فقیرانِ حرم کے ہاتھ اقبال آگیا کیونکر
میسر میر و سلطاں کو نہیں شاہین کافوری

معانی: شاہین کافوری: سفید رنگ کا نایاب شاہین ۔

مطلب: حرم کے درویشوں کے ہاتھ اقبال آج نہ جانے کیسے آگیا ۔ یہ تو سفید رنگ کے شہباز کی مانند ہے جس پر بادشاہوں اور امراء کی دسترس بھی نہیں ہوتی ۔ واضح رہے کہ سفید رنگ کا شہباز انتہائی کمیاب پرندہ ہے جو کسی خوش قسمت انسان کے ہاتھ آجاتا ہے ۔

(39)

تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم
گزر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوبِ کلیم

معانی: سحر: جادو ۔ قدیم: پرانا ۔ چوبِ کلیم: عصائے موسیٰ ۔
مطلب: عہد جدید کی سائنس اور فلسفے کی بنا پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ دور قدیم پھر سے رونما ہو گیا ہے ۔ اس کی مثال حضرت موسیٰ اور فرعون کے دور سے دی جا سکتی ہے کہ اس زمانے میں ساحروں نے اپنے فن میں کمال حاصل کر لیا تھا ۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کے خلاف ان ساحروں کو استعمال کیا لیکن انھوں نے عصائے موسوی سے فرعون اور اس کے ساحروں کا تمام طلسم بے کار کر کے رکھ دیا ۔ آج کے سائنس و فلسفے کی تباہ کاریوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بقول اقبال عصائے موسوی کی ضرورت ہے ۔

عقل عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے، نہ زاہد نہ حکیم

معانی: ملا، زاہد اور اہل دانش اپنی عقل کی عیاری کے سبب حسب ضرورت رنگ بدلتے رہتے ہیں ۔ ان کے برعکس عشق کا جذبہ سادگی کا مظہر ہے جسے فریب کاری نہیں آتی ۔

عیشِ منزل ہے غریبانِ محبت پہ حرام
سب مسافر ہیں بظاہر، نظر آتے ہیں مقیم

معانی: عیشِ منزل: راستے ہی میں آرام کے لیے ٹھہر جانا ۔ غریبانِ محبت: محبت کے مسافر ۔
مطلب: محبت کرنے والے لوگوں پر تو منزل تک پہنچنے کے لیے کسی مرحلے پر بھی ٹھہرنا حرام ہے ۔ اگر کہیں قیام بھی کریں تو بھی متحرک نظر آتے ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ عشق و محبت میں سکون ممکن نہیں ۔

ہے گراں سیر غمِ راحلہ وزاد سے تو
کوہ و دریا سے گزر سکتے ہیں مانندِ نسیم

معانی: گراں سیر: بوجھ اٹھائے ہوئے ۔ غم راحلہ وزاد: سواری اور سفر کے خرچ کی پریشانی ۔ مانندِ نسیم: صبح کی ہوا کی طرح ۔
مطلب: انسان کو مخاطب کر کے اقبال کہتے ہیں کہ تو نے منزل تک رسائی کے لیے سواری اور زاد راہ کا بار اٹھا رکھا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ تیری رفتار سست ہو گئی ہے اور جو زادراہ سے بے نیاز ہوتے ہیں وہ کسی تاخیر کے بغیر پہاڑوں اور دریاؤں کو بھی پار کر جاتے ہیں ۔

مردِ درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ زر وسیم

معانی: نصابِ زر: سونے چاندی کا حساب ۔
مطلب: مردِ درویش تو آزادانہ زندگی گزارنے کا قائل ہوتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ انجام تو بالا خر موت ہی ہوتا ہے لیکن جو دنیا دار لوگ ہیں وہی مال و دولت اور سونے چاندی جمع کرنے کی ہوس رکھتے ہیں ۔ آزاد زندگی کا تصور ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا ہے ۔

(40)

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

مطلب: اگر ان اشعار کو باقاعدہ غزل کے اشعار سے تعبیر کیا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اپنے موضوعات اور فورم کے اعتبار سے یہ ایک مکمل غزل ہے ۔ مطلع میں اقبال کہتے ہیں کہ جس طرح ستاروں سے آگے اور بھی دنیاؤں کی نشاندہی کی گئی ہے اس طرح سے عشق میں آزمائشوں کا سلسلہ بھی جاری و ساری رہتا ہے ۔ اور آزمائش کی یہ منزلیں اختتام پذیر نہیں ہوتیں ۔

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

معانی: تہی: خالی ۔ کارواں: قافلہ ۔

مطلب: بظاہر جو فضائیں زندگی سے خالی نظر آتی ہیں لیکن واقعاتی سطح پر ایسا نہیں ہے ان فضاؤں میں ہزاروں قافلے رواں دواں نظر آتے ہیں اور پوری فضا زندگی سے لبریز ہے ۔

قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی ، آشیاں اور بھی ہیں

معانی: قناعت کرنا: تھوڑے کو بہت سمجھنا، گزارہ کر لینا ۔

مطلب: اس عالم رنگ و بو پر جسے دنیا سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی پر قناعت نہ کر کہ اس سے آگے بھی بہت سی جیتی جاگتی دنیائیں موجود ہیں ۔

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

مطلب: اگر ایک آشیانہ کسی حادثے کے باعث ختم ہوگیا تو اس کا غم کرنا بے سود ہے اس لیے کہ ہجر محبوب میں آہ و زاری کے لیے کوئی ایک مقام تو مخصوص نہیں بلکہ اور بھی مقامات ہیں ۔

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

مطلب: اے انساں ! تو تو شاہیں صفت ہے جس کا منصب پے بہ پے عروج و ترقی کی منزلیں طے کرنا ہے اور یہ منزل ایک آسماں تک دور نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی کئی آسمان موجود ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ انسان عروج و ارتقاء کے مراحل سے گزرتا ہے تو اس کے لیے محض ایک حد نہیں بلکہ وسیع امکانات موجود ہیں ۔

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

معانی: زمان و مکاں : وقت اور دنیا ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ اے انسان جو حدود تیرے روبرو ہیں انہی میں الجھنے پر اکتفا نہ کر! اس لیے کہ اس کے علاوہ بھی زمان و مکان کی وسعتیں موجود ہیں جو تیری جولانگاہ ہیں ۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

مطلب: وہ دور ختم ہوا جب یہ دنیا اہل ذوق سے خالی ہو گئی تھی اور بقول اقبال میری حکیمانہ باتیں سننے پر کوئی آمادہ نہیں ہوتا تھا لیکن اب تو صورت حال بڑی حد تک مختلف ہے ۔ یہاں کچھ ایسے اہل ذوق موجود ہیں جو میری باتوں کو سنتے اور سمجھتے ہیں بلکہ میرے حکیمانہ اقوال کے رازداں بھی ہیں ۔

(41)

(فرانس میں لکھے گئے)

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام! وائے تمنائے خام

معانی: دوام: ہمیشہ رہنے کا عمل ۔ عیشِ جہاں : دنیا کی آسائشیں ۔ تمنائے خام: غلط آرزو ۔
مطلب: ایک روایت کے مطابق اس نظم کے اشعار اقبال نے فرانس کے دوران قیام لکھے ۔ مطلع میں کہا گیا ہے کہ یورپی ممالک اس لایعنی اور فضول خواہش میں مبتلا ہیں کہ دنیا میں عیش و عشرت کو ہمیشہ برقرار رکھنے کا نسخہ مل جائے ۔ مراد یہ کہ اس دار فانی میں تمام تر ترقی کے باوجود ہمیشہ کے لیے عیش و عشرت کا وجود کیسے قائم رہ سکتا ہے ۔ یورپی ممالک کی یہ خواہش عملی سطح پر ناممکنات سے ہے ۔

پیرِ حرم نے کہا سن کے مری روئیداد
پختہ ہے تیری فغاں، اب نہ اسے دل میں تھام

معانی: پیرِ حرم: مرشدِ دیں ۔ روئیداد: داستان، ماجرا ۔ فغاں : فریاد ۔ جذبوں سے بھری آواز ۔
مطلب: میں نے جب اپنی روئیداد پیر حرم کے سامنے بیان کی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ اسے محض اپنی ذات تک محدود نہ رکھ بلکہ عام لوگوں تک پہنچا دے تاکہ وہ بھی تیرے ہم نوا بن جائیں ۔

تھا اَرِنی گو کلیم میں اَرِنی گو نہیں
اس کو تقاضا روا ، مجھ پہ تقاضا حرام

معانی: ارنی: دیدار کروا حضرت موسیٰ نے کوہ سینا پر اللہ تعالیٰ سے اس آرزو کا اظہار کیا۔ میں ارنی گو نہیں: یعنی میں دیدار کروانے کی آرزو نہیں کرتا۔ تقاضا: طلب، خواہش کا اظہار کرنا۔ روا: جائز۔

مطلب: حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر جا کر رب ذوالجلال سے جلوہ نمائی کا تقاضا کیا تو اس کا ایک جواز تھا کہ وہ مقربان خداوندی میں سے تھے۔ اس کے برعکس میں تو ایک ادنیٰ انسان ہوں۔ میں خدا سے جلوہ نمائی کا تقاضا کیسے کر سکتا ہوں۔ میں تو کسی طور پر بھی اس کا اہل نہیں۔

گرچہ ہے افشائے راز، اہلِ نظر کی فغاں
ہو نہیں سکتا کبھی شیوۂ رندانہ عام

معانی: افشائے راز: راز کھول دینا۔

مطلب: یہ درست ہے کہ بعض اوقات اہل نظر کے کسی عمل سے بھی عشق کا راز افشا ہو جاتا ہے لیکن اجتماعی سطح پر یہ ممکن نہیں کہ عشق کے رازوں کو عام کیا جائے۔ یوں بھی عشق کا حوصلہ ہر کوئی شخص کرنے کا اہل نہیں ہے۔

حلقۂ صوفی میں ذکر، بے نم و بے سوز و ساز
میں بھی رہا تشنہ کام، تو بھی رہا تشنہ کام

معانی: تشنہ کام: محروم۔

مطلب: اب تو صوفیاء کے حلقے کی بھی یہ کیفیت ہو کر رہ گئی ہے کہ وہاں جو ذکر ہوتا ہے وہ بھی بے رس اور بے سوز و ساز ہوتا ہے جس کے نتیجے میں سامعین میں سے کوئی شخص بھی استفادہ نہیں کر سکتا۔

عشق تری انتہا ، عشق مری انتہا
تو بھی ابھی ناتمام، میں بھی ابھی ناتمام

مطلب: ہر چند کہ عشق ہر فرد کے جذبے کی انتہا پر محمول ہے اس کے باوجود عشق کی تکمیل کا امکان نہیں ہوتا ۔

آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز

ورنہ ہے مالِ فقیر، سلطنتِ روم و شام

مطلب: اے درویش منش انسان تجھ سے یہ بڑی بھول ہوئی کہ سچی درویشی کا راز کھو دیا ورنہ یہ امر واقع ہے کہ روم و شام کی سلطنت فقیر کی ہی ملکیت تھی ۔ اس فقیر سے اقبال کی مراد مولانا رومی ہیں ۔

(42)

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

مطلب: خودی کے جذبے کو اگر علم سے استحکام مل جائے تو اس پر جبرئیل جیسا فرشتہ بھی رشک کرے گا اور اگر اس جذبے میں عشق حقیقی بھی شامل ہو جائے تو خودی کی کیفیت وہ انقلاب انگیز تاثر پیدا کرے گی جو رب ذوالجلال نے قیامت کے دن کے لئے صور اسرافیل کو عطا کیا ہے ۔

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

معانی: عذابِ دانشِ حاضر: موجودہ زمانے کی عقل کا عذاب ۔ مثلِ خلیل: حضرت ابراہیم کی طرح ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ میں اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہوں کہ عہد حاضر کے علم و دانش میرے لیے ایک عذاب کے مانند ہیں اور اس عذاب میں میں خود کو اسی طرح سے محسوس کرتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے آتش نمرود میں داخل ہو کر خود کو محسوس کیا تھا ۔ مراد یہ ہے کہ عہد حاضر کی دانش بقول اقبال میرے لیے اسی طرح عذاب کے مانند ہے جس طرح حضرت ابراہیم کے لیے آتش نمرود تھی ۔ اور جس طرح آتش نمرود سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ بحفاظت نکل آئے تھے ۔ اسی طرح میں بھی انشاء اللہ اس عذاب سے محفوظ رہوں گا جس میں مبتلا ہوں ۔

فریب خوردۂ منزل ہے کارواں ورنہ
زیادہ راحتِ منزل سے ہے نشاطِ رحیل

معانی: فریب خوردہ: دھوکے میں آیا ہوا ۔ نشاطِ رحیل: سفر کی خوشی ۔
مطلب: میرا قافلہ امر واقع یہ ہے کہ سراب کو منزل سمجھ کر دھوکا کھا بیٹھا ہے ۔ ورنہ اگر وہ حقیقت حال کے ادراک رکھتا تو اسے یہ جاننے میں دقت نہ ہوتی کہ ستانے کے لیے قیام سے کہیں زیادہ بہتر مسلسل سفر ہوتا ۔ خواہ اس عمل میں کتنی ہی تکلیفوں کا سامنا ہو ۔

نظر نہیں تو مرے حلقہَ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل

معانی: تیغ اصیل: اصل لوہے کی تلوار ۔
مطلب: اگر تیرے پاس نگاہ دورس نہیں تو میری محفل سے دور رہ ۔ اس لیے کہ میں تو یہاں فلسفہ خودی کے حوالے سے جو نکتے بیان کرتا ہوں وہ تو دل میں اتر جانے والے ہیں اور ان میں ایسی کاٹ ہے جو تیغ اصیل میں ہوتی ہے ۔

مجھے وہ درسِ فرنگ آج یاد آتے ہیں
کہاں حضور کی لذت ، کہاں حجابِ دلیل

مطلب: اقبال کا کہنا ہے کہ مجھے اب یورپ میں طالبعلمی کا وہ دور یاد آ رہا ہے جہاں ہر مسئلے کے بارے میں استدلال سے کام لیا جاتا تھا لیکن اب میں یہ محسوس کرنے لگا ہوں کہ مجھے آج جب کہ حضوری قلب حاصل ہوئی ہے تو اس کے مقابلے میں استدلال تو ایک طرح سے بے معنی شے ہے ۔ چونکہ دیکھا جائے تو حضوری قلب میں جو لذت موجود ہے وہ استدلال میں نہیں ۔

اندھیری شب ہے، جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لیے ہے مرا شعلہَ نوا قندیل

مطلب: اس شعر میں علامہ نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ ناسازگار حالات کی اندھیری رات میں تم لوگ اپنے قافلے سے بھٹک کر رہ گئے البتہ اگر تو اشعار اور ان کی فکر کی گہرائی سے استفادہ کر سکے تو یہ تیرے شب کی تاریکی میں روشن چراغ کے مانند ہوں گے جن سے تم بھٹکے ہوئے لوگ سفر منزل میں چراغوں سے قدرے روشنی حاصل کر سکو گے ۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسماعیل

مطلب: حرم کعبہ کی داستان اور پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے علامہ کہتے ہیں کہ یہ بظاہر غریب و سادہ ہونے کے باوجود تاریخی سطح پر ہمہ جہت رنگوں کی حامل ہے اس لیے کہ اس کی عظمت و تعمیر کی انتہا نواسہ رسول امام حسین علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ سے ہوئی ہے اور ابتداء پیغمبر خدا حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے جذبہ قربانی سے ۔ اقبال کے بعض دوسرے اشعار کی طرح یہ شعر بھی ان کے کلام میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے ۔

(43)

مکتبوں میں کہیں رعنائیِ افکار بھی ہے
خانقاہوں میں کہیں لذّتِ اسرار بھی ہے

معانی: رعنائیِ افکار: سوچ کی زینت و حسن ۔ لذتِ اسرار: راز رکھنے کا مزا ۔
مطلب: اس نظم کے بیشتر اشعار ایک سوالیہ نشان کے مانند نظر آتے ہیں ۔ ان میں اقبال اپنے عہد کی جو صورت حال سے اس کا ذکر بھی اشارتاً کرتے ہیں اور اس سے عہدہ برآ ہونے کا عندیہ بھی دیتے ہیں ۔ پہلے شعر میں کہتے ہیں کہ ان دنوں درسگاہوں میں نہ تو فکر و دانش کے آثار ملتے ہیں اور نہ ہی خانقاہوں میں وہ جوہر نظر آتا ہے جو روحانی تربیت کا باعث ہوا کرتا تھا ۔ مراد یہ ہے کہ یہ دور عملاً منفی اثرات کا حامل ہے اور کسی مرحلے پر بھی اصلاح کی گنجائش نظر نہیں آتی اور یہی اس دور کا المیہ ہے ۔

منزلِ رہرواں دُور بھی ، دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے

معانی: رہرواں : سفر کرنے والے ۔ قافلہ : ملتِ اسلامیہ ۔
مطلب: پہلے شعر کی طرح اس شعر میں بھی کیفیت یہ ہے کہ بے عملی کے سبب اہل قافلہ کی منزل دشوار بھی زیادہ ہو چلی ہے اور اس تک پہنچنے کے آثار بھی نظر نہیں آتے ۔ یعنی زندگی تو حرکت اور عملی جدوجہد سے عبارت ہے ۔ انہی کے ذریعے انسان ترقی کر سکتا ہے اور اپنی منزل مراد کو بھی پا لیتا ہے ۔ اس کے برعکس زندگی حرکت اور عملی جدوجہد سے خالی ہو تو ناکامی اس کا مقدر بن جاتی ہے

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکہَ دین ووطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرّار بھی ہے

معانی: حیدرِ کرار: حضرت علی المرتضی

مطلب: رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جب مسلمانوں کے سامنے خیبر کے ناقابل تسخیر قلعے کا معرکہ درپیش ہوا تو اس کو فتح کرنے کے لیے اس وقت حضرت علی مرتضیٰ جیسے شاہ مرداں اپنی معروف تلوار ذوالفقار کے ساتھ موجود تھے جنھوں نے اپنے دست و بازو سے کام لے کر خیبر کا در اکھاڑ پھینکا اور قلعہ فتح کر لیا ۔ اقبال کہتے ہیں کہ آج بھی دین اور وطن کے مقابل خیبر سے کہیں بڑھ کر معرکہ موجود ہے ۔ اس مرحلے پر اقبال سوال کرتے ہیں کہ کیا کوئی آج کے دور میں حیدرِ کرار جیسا کردار و سیرت پیدا کر سکتا ہے تا کہ اس معرکہ کو سر کیا جا سکے ۔

علم کی حد سے پرے بندہَ مومن کے لیے
لذتِ شوق بھی ہے، نعمتِ دیدار بھی ہے

معانی: لذتِ شوق: شوق کا لطف ۔ نعمتِ دیدار: محبوب حقیقی کو دیکھنے کی نعمت ۔

مطلب: اس شعر میں کہا گیا ہے کہ علم بے شک اپنے مقام پر بڑی اہمیت کا حامل ہے لیکن مومن کے لیے علم ہی کافی نہیں بلکہ عشق حقیقی بھی درکار ہے ۔

پیرِ میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
سست بنیاد بھی ہے آئنہ دیوار بھی ہے

معانی: سست بنیاد: جلد گر جانے والی بنیاد ۔ آئینہ دیوار: شیشے کی دیوار والا ۔

مطلب: دانش مند لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یورپی تہذیب ہرچند کہ اپنی حدود میں ترقی یافتہ ہے لیکن اس میں تصنع اور بناوٹ نے ہر

نوع کی اخلاقیات سے محروم کر کے رکھ دیا ہے ۔ مراد یہ کہ مادی ترقی ہی معاشرے کی تعمیر کے لیے کافی نہیں اس کے لیے روحانی اقدار بھی درکار ہیں ۔

(44)

حادثہ وہ جو ابھی پردہَ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینہَ ادراک میں ہے

معانی: پردہَ افلاک: آسمان کا پردہ ۔ آئینہ ادراک: عقل کا شیشہ ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شعور و ادراک سے مستقبل میں رونما ہونے والی واردات کا اندازہ لگا لیا ہے ۔ یہ نتیجہ جادو کے زور سے نہیں بلکہ اپنی دوربینی سے اخذ کرنے کے قابل ہوا ہوں ۔

نہ ستارے میں ہے، نے گردشِ افلاک میں ہے
تیری تقدیر مرے نالہَ بیباک میں ہے

معانی: گردشِ افلاک: آسمانوں کی گردش ۔ نالہَ بے باک: بے خوف نالہ ۔
مطلب: انسانی تقدیر کی تعمیر عملی جدوجہد سے ہوتی ہے ۔ نہ تو کوئی ستارہ نا ہی کوئی آسمانی گردش انسانی تقدیر بنانے یا بگاڑنے کی اہلیت رکھتے ہیں ۔ یہ بناوَ اور بگاڑ تو خود انسان کے اپنے عمل میں ہے ۔

یا مری آہ میں کوئی شررِ زندہ نہیں
یا ذرا نم ابھی تیرے خس و خاشاک میں ہے

مطلب: اپنے اشعار کے ذریعے جو دعوت عمل دے رہا ہوں اس کا تجھ پر اثر کیوں نہیں ہوتا ۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یا تو میری فکر و نوا ہی بے اثر ہو کر رہ گئی ہے یا پھر تجھ میں ہی میری دعوت عمل کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں ہے ۔

کیا عجب میری نوائے سحر گاہی سے
زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تری خاک میں ہے

مطلب: اور اگر میرے اشعار تیرے اندر چھپے ہوئے جذبوں کی قبولیت سے ہم کنار کر لیں کہ اس میں کوئی حیرت کی بات نہ ہوگی ۔ اس لیے کہ انسان میں بالآخر اچھی باتوں کے قبول کرنے کی صلاحیت تو بہرحال ہوتی ہے ۔

توڑ ڈالے گی یہی خاکِ طلسم شب و روز
گرچہ الجھی ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے

مطلب: اور بالآخر مسلمانوں کی صلاحتیں اپنی قربانی اور جدوجہد کے ذریعے اپنی منزل کو پانے میں کامیاب ہو جائیں گی ۔ اس لیے کہ ان میں بہرحال ایک انقلابی روح تو موجود ہے صرف اس کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کارہائے نمایاں بقول اقبال میرے اشعار اور علی الصبح کی دعائیں سرانجام دے سکیں گی ۔

(45)

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

معانی: سوزِ مشتاقی: عشق کا سوز ۔ فسانہ ہائے: جھوٹی کہانیاں ۔
مطلب: نظم کے اس مطلع میں کہا گیا ہے کہ صوفی اور درویشوں کی خانقاہوں کی صورت حال آج کل بس ایسی ہے کہ عشق و عمل کی جگہ محض جھوٹی کرامتیں دکھا کر اپنے پیروؤں کو لوٹنے کی روش باقی رہ گئی ہے ۔

خرابِ کوشکِ سلطان و خانقاہِ فقیر
فغاں کی تخت و مصلیٰ کمالِ زرّاقی

معانی: کوشک: تکیہ ۔ زراقی: فریب دنیا ۔
مطلب: اس شعر میں پہلے شعر کی مانند اقبال نے صوفی اور درویش کے ساتھ بادشاہوں کے کردار کا جائزہ لیا ہے کہ شاہی محلات اور درویشوں کی خانقاہیں دونوں کی کیفیت ان دنوں انتہائی خراب اور ناقص ہے ۔ دونوں انتہائی مکاری اور عیاری کے اڈے بن گئے ہیں ۔

کرے گی داورِ محشر کو شرم سار اک روز
کتابِ صوفی و ملا کی سادہ اوراقی

مطلب: اس شعر میں کہا گیا ہے کہ صوفی اور ملا جو دین مذہب کے اجارہ دار بنے ہوئے ہیں لیکن ان کی کارکردگی کو دیکھا جائے تو صفر کے برابر ہے ۔ ان کے کورے اعمال نامے جب داور محشر کے روبرو پیش کئے جائیں گے تو اسے خود دکھ ہو گا کہ یہی لوگ تھے جو

مذہب کے نام پر کیا کیا گل کھلاتے رہے ہیں ۔ کہ خداوند عالم نے انھیں مواقع فراہم کیے لیکن وہ اپنی بے عملی اور بدنیتی کے سبب کوئی شایان شان کام نہ کر سکے ۔

نہ چینی و عربی وہ نہ رومی و شامی
سما نہ سکا دو عالم میں مردِ آفاقی

معانی: آفاقی: بلند فکر آدمی یعنی مومن ۔

مطلب: اسلام تو رنگ و نسل کی پابندی سے ہٹ کر ایک آزاد مذہب کی حیثیت کا حامل ہے ۔ اس میں شامل ہونے والا کوئی بھی شخص خواہ چینی ہو یا عربی، رومی ہو یا شامی بہرحال مسلمان ہے اور اسلام سے وابستہ ہے ۔

مئے شبانہ کی مستی تو ہو چکی لیکن
کھٹک رہا ہے دلوں میں کرشمۂ ساقی

مطلب: رات پی جانے والی شراب کا خمار تو اب ختم ہوگیا لیکن ساقی کی عنایات کا کرشمہ ابھی تک ذہن میں محفوظ ہے ۔

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

معانی: کارِ تریاقی: زہر کی دوا ۔

مطلب: عربی کا مقولہ ہے جس کے معنی ہیں کہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے اسی حوالے سے اقبال کہتے ہیں بے شک میری باتیں بھی اے مسلمان تجھے کڑوی اور تلخ محسوس ہوں گی لیکن نہ بھول کہ یہ باتیں تلخ سچائی پر مبنی ہیں ۔

عزیز تر ہے متاعِ امیر و سلطاں سے
وہ شعر جس میں ہو بجلی کا سوز و برّاقی

معانی: متاع امیر و سلطان: بادشاہوں کی دولت ۔ برّاقی: چمک ۔

مطلب: جو شعر جو حقائق پر مبنی ہے اور جس میں روح عصر جھلکتی ہو وہ تو یقینا بادشاہوں اور امراء کے مال و دولت سے بھی زیادہ قیمتی ہے ۔ مراد یہ ہے کہ اس نوعیت کے شعر کی افادیت تو مال و دولت سے بھی زیادہ ہے کہ یہ حقیقی رہنمائی کا حامل ہوتا ہے ۔

(46)

ہوا نہ زور سے اس کے کوئی گریباں چاک
اگرچہ مغربیوں کا جنوں بھی تھا چالاک

معانی: مغربیوں کا جنوں: اہل مغرب کا پاگل پن یا جوش ۔ چالاک: ہوشیار، پراثر ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال اہل یورپ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مغربی دانشور سائنس فلسفہ اور دیگر علوم میں مہارت رکھتے ہیں اور عالمی سطح پر لوگوں پر اثر انداز ہونے کی قوت کے حامل ہیں اس کے باوجود وہ ان کی روح اور ضمیر کو تسخیر نہیں کر سکتے ۔ کہنے کا مقصد یوں ہے کہ یہ صلاحیت مشرقی رہنماؤں کی ہے جو ظاہر کے بجائے باطن کی پاکیزگی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں ۔

مئے یقیں سے ضمیرِ حیات ہے پرسوز
نصیبِ مدرسہ یارب یہ آبِ آتشناک

معانی: ضمیرِ حیات: زندگی کا ضمیر ۔ آبِ آتشناک: جلا دینے والا پانی یعنی جوش پیدا کرنے والے جذبات ۔
مطلب: یقین محکم کی بدولت حیات انسانی جن اوصاف کی حامل ہے خدا کرے اسی نوع کا یقین محکم ہمارے تعلیمی اداروں کو بھی نصیب ہو اور وہ اس سے استفادہ بھی کر سکیں ۔

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں، یہ ستارے، یہ نیلگوں افلاک

مطلب: انسان ہرچند کہ خاک سے پیدا ہوا ہے اس کے باوجود اس کی عظمت کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ ستارے، کہکشاں اور نیلی رنگت والے آسمان اس کے عروج اور ترقی کا ہر لمحے مطالعہ کرتے رہتے ہیں ۔ اور اس کا انتظار ہی اب ان کے لیے لازم ہے ۔

یہی زمانۂ حاضر کی کائنات ہے کیا
دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بیباک

مطلب: اس شعر میں اقبال اپنے مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا عصر موجود کے پاس یہی اثاثہ رہ گیا ہے کہ انسانی دماغ تو علم سے روشن اور تابندہ ہے لیکن دل میں عدم اعتماد کی تیرگی چھائی ہوئی ہے اور نگاہوں میں بے باکی تو ہے حیا کا فقدان ہے ۔

تو بے بصر ہو تو یہ مانعِ نگاہ بھی ہے
وگرنہ آگ ہے مومن، جہاں خس و خاشاک

مطلب: مسلمانوں سے مخاطب ہوکر اقبال کہتے ہیں کہ تو اگر بینائی سے محروم ہے تو دنیا کے معاملات تجھ پر کھل نہیں سکتے ورنہ امر واقع تو یہ ہے کہ مومن تو ایک ایسی آتش فروزاں کی طرح ہے کہ اس کے بالمقابل دنیا دیکھا جائے تو خس و خاشاک کے مانند ہے اور کون نہیں جانتا کہ آگ خس و خاشاک کو کس طرح بھسم کر کے رکھ دیتی ہے ۔

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ
کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک

معانی: مشعل راہ: راستے کی شمع ۔ صاحبِ ادراک: سمجھدار ۔

مطلب: دنیا نے تو محض عقل کو حرف آخر سمجھ رکھا ہے حالانکہ انسان میں مردانگی کا جوہر وہ جنوں عطا کرتا ہے جو عقل سے بھی زیادہ قوی ہے ۔

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی

مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

نکتۂ لولاک: ایک حدیث قدسی ہے جس کا مفہوم ہے کہ اے رسول ﷺ اگر ہم تمہیں پیدا نہ کرتے تو یہ آسمان وزمین بھی پیدا نہ کرتے ۔

مطلب: اور امر واقعہ یہ ہے کہ تمام دنیا تو مرد مومن کا ورثہ ہے اور اس دعویٰ کی تصدیق لولاک سے کی گئی ہے کہ یہ کائنات خدا نے محض حضورِ اکرم کے لیے پیدا کی ہے ۔

(47)

یوں ہاتھ نہیں آتا، وہ گوہرِ یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمتِ مردانہ

معانی: گوہر: موتی ۔ یک دانہ: قیمتی ۔ یک رنگی: ظاہر و باطن کا ایک رنگ ہونا ۔
مطلب: ان اشعار میں اقبال نے آزادی اور منافقت سے گریز کو اپنا موضوع بنایا ہے ۔ منافقت سے گریز کو وہ یک رنگی کے عمل سے تعبیر کرتے ہیں اور آزادی سے ان کی مراد آزادی اظہار و افکار، آزادی خیر، اور زندگی کی ہر معاملے میں مکمل آزادی ہے چنانچہ مطلع میں کہتے ہیں کہ اے ہمت مردانہ اس حقیقت سے آگاہ رہ کر آزادی اور منافقت سے گریز کا عمل ہی ایسے عناصر ہیں جن کی مدد کے بغیر انسان کو گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا ۔

یا سنجر و طغرل کا آئینِ جہانگیری
یا مردِ قلندر کے اندازِ ملوکانہ

معانی: سنجر و طغرل: مسلمان بادشاہوں کے نام ۔
مطلب: نظم کے کم و بیش تمام اشعار میں آزادی و یک رنگی کے حوالوں سے علامہ نے ایک تقابلی فضا تخلیق کی ہے ۔ اس شعر میں فرماتے ہیں کہ اے ہمت مردانہ ! یا تو سنجر اور طغرل جیسے عالی مرتبت حکمرانوں کی طرز جہانگیر اختیار کر لے یا سچے درویشوں کی صفات کو اپنا لے ۔

یا حیرت فارابی، یا تاب و تب رومی
یا فکرِ حکیمانہ ، یا جذبِ کلیمانہ

مطلب: تقابلی جائزہ کو جاری رکھتے ہوئے اقبال اس شعر میں کہتے ہیں کہ یا تو حکیم ابونصر فارابی جیسی دانش و حکمت حاصل کر یا مولانا روم جیسا سوز وگداز کہ یہی حضرت موسیٰ کا مطیع رہا ہے ۔

یا عقل کی رُوباہی ، یا عشقِ یدُاللّٰہی
یا حیلۂ افرنگی ، یا حملۂ ترکانہ

معانی: روباہی : بزدلی ۔ عشقِ یداللّٰہی: حضرت علی کا عشق ۔ یا حیلۂ افرنگی: فرنگیوں کا مکر وفریب ۔ حملۂ ترکانہ: ترکوں کا حملہ ۔
مطلب: جب بات عقل تک پہنچے تو اس کی حیلہ سازی اور عیاری سیکھ لے کہ یہ مغربی دانشوروں کا وطیرہ ہے ۔ یا پھر علی شیرِ خدا کی جرات اور عشق حقیقی کے علاوہ ترک عساکر کی جرات ویلغار اپنا لے ۔

یا شرعِ مسلمانی، یا دیر کی دربانی
یا نعرۂ مستانہ ، کعبہ ہو کہ بت خانہ

معانی: دیر کی دربانی : مندر کی چوکیداری ۔
مطلب: یہ بھی نہیں تو پھر اسلامی شریعت اپنا لے یا پھر کفار کی کاسہ لیسی اختیار کر لے یوں بھی کعبہ ہو یا بت خانہ مردوں کا شیوہ یک رنگی پر مبنی ہونا چاہیے ۔

میری میں ، فقیری میں ، شاہی میں ، غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جراَتِ رندانہ

مطلب: سرداری ہو یا فقیری، بادشاہی ہو یا غلامی ہر عمل کی تکمیل جراَت رندانہ کے بغیر ممکن نہیں ۔ اس نظم میں علامہ نے مختلف شخصیتوں اور کردار کے حوالوں سے ایسی فضا تخلیق کی ہے جو نوع انسانی کے انتہائی تضادات کی آئینہ دار ہے اور جس کا مقصد آزادی اور یک رنگی کے سوا اور کچھ نہیں ۔

(48)

نہ تخت و تاج میں ، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

معانی: مردِ قلندر: مردِ مومن ۔

مطلب: مطلع میں اقبال کہتے ہیں کہ سچے اور حقیقی درویش کی بارگاہ میں جس دلاویز کیفیت کا اظہار ہوتا ہے وہ نہ تو تخت و تاج کے سربراہی میں ملتی ہے نا ہی لشکروں کی سالاری میں اتنا لطف آتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ مرد قلندر کو ہی وہ مقام حاصل ہے جو انسان کو روح عصر سے آگاہ کرنے میں مدد گار ثابت ہو سکتا ہے ۔

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہٰ میں ہے

مطلب: حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو قدرت نے یہ شرف بخشا کہ وہ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیں چنانچہ حضرت ابراہیم نے یہ فریضہ بخوبی سر انجام دے کر یہ ثابت کر دیا کہ خالق حقیقی رب ذوالجلال کے علاوہ اور کوئی نہیں ۔

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں ، جو تری نگاہ میں ہے

مطلب: اب اگر یہ کہا جائے کہ خس و خاشاک کا ڈھیر ہی حقیقی دنیا کے مترادف ہے تو اس سے بڑھ کر احمقانہ بات اور کیا ہو گی کہ ایک فعال انسان تو خود ہی اپنی دنیا تخلیق کرتا ہے اور یہ دنیا ہمت و جراَت اور عملی جدوجہد سے ہی پیدا ہوتی ہے ۔

مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے

معانی: مشتِ خاک: مٹی کی مٹھی ۔ آوارگانِ راہ: مسافر۔

مطلب: اقبال کے نزدیک انسان کا مقام تو چاند ستاروں سے بھی کہیں آگے ہے ۔ اس لیے اسے اشرف المخلوقات کہا گیا ہے لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ وہ اپنی کم ہمتی اور بے عملی کے سبب منزل مقصود پانا تو الگ رہا ابھی اس کے راستے میں ہی بھٹک رہا ہے ۔

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہ گزرِ سیلِ بے پناہ میں ہے

معانی: فرنگ: انگریز۔ بے پناہ: بہت زیادہ ۔

مطلب: علامہ نے یہ اور اس طرح کی پیشن گوئیاں اپنے اشعار میں جا بجا کی ہیں وہ اسے فکری شعور کے تحت پیش آمدہ حالات کا جائزہ لینے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں ۔ اس شعر میں انھوں نے جنوبی ایشیا کے دوسرے ممالک پر برطانوی تہذیب و استعمار کی یلغار کا ذکر کیا ہے اور متنبہ کیا ہے کہ مغربی تہذیب و استعمار مشرق کو تباہ کرنے کے لیے بر سر عمل ہے اس کا تدارک ضروری ہے ۔

تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہانِ تازہ مری آہِ صبح گاہ میں ہے

مطلب: میں نے اپنے اشعار میں جو منشور ترتیب دیا ہے وہ مسلمانوں کے لیے جہان تازہ کی تعمیر کا سبب بن سکتا ہے ۔

مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب

نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

معانی: بادۂ ناب: صاف شراب ۔

مطلب: اس میں کہا گیا ہے کہ میں نے اپنے اشعار میں جو تعلیم دی ہے وہ نا تو تعلیمی اداروں میں ملے گی اور نا ہی مذہبی درسگاہوں میں ! لہذا اسی سے استفادہ کیا جائے تو مناسب ہے ۔

(49)

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشۂ چالاک
رکھتی ہے مگر طاقتِ پرواز مری خاک

معانی: اندیشۂ چالاک: مکر کی سوچ ۔ طاقتِ پرواز: اڑنے کی طاقت ۔
مطلب: ان اشعار میں اقبال نے اپنی ذات کے حوالے سے ملت بیضا کے بعض مسائل کو پیش نظر رکھ کر بات کی ہے ۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ان چار اشعار میں قدر مشترک ذات، ملت اور کائنات ہیں ۔ اس شعر میں وہ کہتے ہیں کہ فطرت نے اگرچہ مجھ میں وہ خصوصیت روا نہیں رکھی جو چالاک اور عیاری سے عبارت ہوتی ہے اس کے باوجود مجھ میں وہ صلاحیت موجود ہے جو زندگی کے عروج و ارتقاء میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے ۔ مراد یہ ہے کہ حیات انسانی منفی حربوں سے اپنی تکمیل کی طرف نہیں بڑھتی بلکہ اس کے لیے مثبت اور بامقصد طرز عمل درکار ہوتا ہے ۔

وہ خاک ، کہ ہے جس کا جنوں صیقلِ ادراک
وہ خاک، کہ جبریل کی ہے جس سے قبا چاک

معانی: صیقلِ ادراک: عقل کو چمکانے والا ۔ قبا چاک: پھٹا ہوا لباس ۔
مطلب: میری ذات اتنی باصلاحیت ہے کہ اس کی دیوانگی بھی ادراک اور سوجھ بوجھ سے خالی نہیں ہوتی ۔ اور جس کے سامنے جبرئیل جیسے فرشتے بھی سر تسلیم خم کر لیتے ہیں ۔ اقبال کا اشارہ یہاں خدائے تعالیٰ کے اس حکم کی جانب ہے جس میں اس نے فرشتوں کو آدم کے روبرو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا ۔

وہ خاک ، کہ پروائے نشیمن نہیں رکھتی
چنتی نہیں پہنائے چمن سے خس و خاشاک

معانی: پروائے نشیمن: آرام کی جگہ کی طلب ہونا ۔ پہنائے چمن: چمن کی وادی ۔
مطلب: میری ہستی کو عملاً کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ یہی وجہ ہے کہ نہ مجھے ایسا آشیانہ درکار ہے جس کی تعمیر کے لیے ایسے وسائل فراہم کیے جا سکیں جو میری بے نیازی پر اثر انداز ہوں نا ہی مجھے دیگر علائق دنیوی سے کوئی سروکار ہے ۔

اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرق ناک

معانی: عرق ناک: آنسو بہانے والا ۔
مطلب: میرا وجود کہ ہر طرح کی خواہش سے بے نیاز ہے ۔ اس کے باوجود قدرت نے مجھے ایسی روشنی عطا کی ہے جس کا سامنا کرتے ہوئے ستارے بھی ماند پڑ جاتے ہیں ۔ مراد یہ کہ انسانی وجود میں قدرت نے وہ تمام صلاحتیں ودیعت کر دی ہیں جن کے روبرو تمام عناصر احساس کمتری کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں ۔

(50)

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

معانی: اہلِ نظر: بہت زیادہ سمجھ رکھنے والے ۔ تازہ بستیاں : نئے مقامات، بستیاں ۔ سوئے کوفہ و بغداد: عراق کے دو بڑے شہر کوفہ اور بغداد کی طرف ۔

مطلب: اس شعر میں اقبال نے ایک انتہائی حقیقت پسندانہ نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ لوگ جو دور رس نگاہوں کے مالک ہوتے ہیں اور مستقبل پر نظر رکھتے ہیں وہ ماضی کی شان و شوکت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس امر کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ مستقبل میں ان کا کردار کیا ہونا چاہیے ۔ اس کے لیے وہ ماضی کے بجائے حسب ضرورت نئی تعمیرات کے لیے سرگرم عمل ہو جاتے ہیں ۔

یہ مدرسہ، یہ جواں ، یہ سرور و رعنائی
انھی کے دم سے ہے میخانۂ فرنگ آباد

معانی: سرور و رعنائی: ظاہری چمک دمک ۔

مطلب: علامہ کے بیشتر اشعار میں اگرچہ فکر کی یکسانیت پائی جاتی ہے تاہم ان حوالوں سے بھی وہ اظہار میں تازہ خون کی آمیزش کا بہرحال پوری طرح خیال رکھتے ہیں ۔ اس شعر میں بھی ہر چند کہ انھوں نے نئی بات نہیں کہی تا ہم جو کہا اپنے انداز میں کہا ۔ فرماتے ہیں کہ ملت کے جوان، ہماری درسگاہیں اور مروجہ تہذیب و معاشرت، یہ سب مغربی کلچر کا مغلوبہ ہیں اور اس کلچر میں پوری طرح دھنسے ہوئے ہیں ۔

نہ فلسفی سے نہ ملّا سے ہے غرض مجھ کو

یہ دل کی موت وہ اندیشہ ونظر کا فساد

مطلب: علامہ اس شعر میں بھی عہد کے فلسفیوں اور ملاؤں پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اول الذکر اپنی فکر کے ذریعے نہ تو کوئی مثبت طرز عمل فراہم کرتے ہیں نا ہی اہل دل کے لیے ان کی دانش تقویت کا باعث ہو سکتی ہے ۔ رہے ملا تو ان کے لیے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ دین ملا فی سبیل اللہ فساد یعنی ملا تو دین اور اسلام کے نام پر تفرقہ پھیلاتا ہے ۔

فقیہِ شہر کی تحقیر ! کیا مجال مری

مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ہوں دل کی کشاد

معانی: دل کی کشاد: دل کا کھل جانا ۔

مطلب: بے شک میرے نزدیک مفتی شہر کی اہانت اگرچہ مناسب نہیں پھر بھی اس میں جو ظرف ہے بہرحال میں اس سے متفق نہیں ۔

خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرتِ پرویز

خدا کی دین ہے سرمایہَ غمِ فرہاد

مطلب: بے شک زر و مال پاس ہو تو عیش و طرب کے لیے ہر ممکن سامان کیا جا سکتا ہے لیکن درد کی دولت تو ایسی گراں قدر شے ہے جو مال و زر سے حاصل نہیں ہو سکتی ۔

کیے ہیں فاش، رموزِ قلندری میں نے

کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد

مطلب: مردِ مومن، مردِ آزاد کے اندر جو باطنی قوت ہوتی ہے اسے میں نے قلندرانہ شاعری کے ذریعے اس لیے فاش کر دیا ہے تا کہ مدرسہ اور خانقاہ کے طالب علم صرف کتابی علم کے علاوہ باطنی طور پر بھی اپنی پہچان کر سکیں تا کہ وہ آزاد فکر انسان بن سکیں ۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

معانی: رشی: مہاتما گاندھی ۔ برہمن: مراد ہندو قوم ۔ عصا: ہتھیار، طاقت ۔

مطلب: ہندووَں نے اپنے اندر ذات پات اور برادری کا جو بت پالا ہوا ہے اسے ان کے رہنما مہاتما گاندھی کی تعلیمات بھی نہ توڑ سکیں اس کے لیے موسیٰ کلیم اللہ جیسی قوت رکھنے والا مرد چاہیے جو عصا کو بھی معجز بنا دے ۔

(51)

کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی
گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی حنا بندی

معانی: غمازی: چغلی کرنا ۔ حنا بندی: مہندی لگانا ۔
مطلب: فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے اقبال کی شکایت کی کہ فطرت کی رونمائی کر کے اقبال گستاخی کرتا ہے ۔

خاکی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاکی
رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی

مطلب: اگرچہ یہ مٹی کا بنا ہوا انسان ہے مگر اس کے انداز ایسے ہیں جیسے آسمانوں کو تسخیر کرنا چاہتا ہو ۔ جبکہ یہ رومی ، شامی ، کاشغر اور سمرقند کا رہنے والا بھی نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں رہتا ہے جہاں بت پرستی عروج پر ہے ۔

سکھلائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ اس نے
آدم کو سکھاتا ہے آدابِ خداوندی

معانی: آدم کی تڑپ: انسان کی تڑپ ۔ آدابِ خداوندی: خدائی کے انداز اور سلیقے ۔
مطلب: اس مرد مومن نے اپنے اندر کے عشق کے سوز سے نہ صرف انسان میں اضطراب پیدا کر دیا ہے بلکہ اب تو فرشتے بھی خودی دیکھ کر تڑپ اٹھتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ آدم کو دنیا میں خدائی کرنے کے طور طریقے سکھاتا ہے یعنی اپنے اندر خدائی صفات پیدا کرنا سکھاتا ہے تاکہ انسان خدا کا آئینہ بن سکے ۔

(52)

نے مہرہ باقی ، نے مہرہ بازی

جیتا ہے رومی ہارا ہے رازی

معانی: مہرہ: شطرنج کی گوٹ ۔ مہرہ بازی: عقل و فلسفہ کے انداز ۔ جیتا ہے رومی: یعنی عشق کامیاب ہوگیا ۔ ہارا ہے رازی: مراد عقل نے شکست کھائی گویا عقل و فلسفہ خدائی تجلیات سے بے بہرہ رہا ۔

مطلب: زندگی کی تکمیل کے لیے محض علم و حکمت اور فلسفہ کافی نہیں بلکہ اس کے لیے بنیادی مسئلہ عشق حقیقی ہے ۔ یہ استدلال اس شعر میں علامہ اقبال نے امام رازی اور مولانا روم کے حوالوں سے پیش کیا ہے ۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ امام رازی جو حکمت و فلسفہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے لیکن وہ عشق حقیقی کے بغیر منزل تک نہ پہنچ سکے ۔ ان کے مقابلے میں مولانا روم نے اس لیے منزل پالی کہ وہ عشق حقیقی کے محرم تھے ۔

روشن ہے جامِ جمشید اب تک

شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی

مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ بادشاہت عیاری کے بغیر نہیں چل سکتی اس کا ثبوت جام جمشید ہے جو اب تک باقی ہے یعنی جمشید نے بلور کا جو مشہور زمانہ جام تیار کرایا تھا وہ بناوٹ اور تصنع کا منبع تھا ۔ جمشید کی بادشاہت اور شہرت کا رازیہی حربہ تھا ۔ مراد یہ ہے کہ بادشاہی کو قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ کی طرح آج بھی اسی نوع کے حربے اور مکاری درکار ہے ۔

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا

تو بھی نمازی ، میں بھی نمازی

مطلب: مسلمانوں سے مخاطب ہوکر علامہ کہتے ہیں کہ دکھانے کے لیے نماز میں بھی پڑھتا ہوں اور تو بھی ! اس کے باوجود نہ باطنی سطح پر میں مسلمان نہ تو! یعنی میرے اور تیرے دلوں میں اسلام کا جذبہ برائے نام ہے ۔

میں جانتا ہوں انجام اس کا

جس معرکے میں ملّا ہوں غازی

مطلب: اور یہ بھی جان لے کہ جس معرکے میں ملا آپس میں ٹکرا جائیں اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے ہر طرح کا حربہ استعمال کریں اس معرکے کا انجام جو کچھ بھی ہو گا اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے ۔

ترکی بھی شیریں، تازی بھی شیریں

حرفِ محبت، ترکی نہ تازی

مطلب: محبت کسی زبان اور رنگ و نسل کی پابند نہیں ۔ اسی موضوع پر گفتگو ترکی زبان میں ہو یا عربی میں یہ باتیں بہرحال میٹھی لگتی ہیں ۔

آزر کا پیشہ خارا تراشی

کارِ خلیلاں خارا گدازی

مطلب: معانی: آذر: حضرت ابراہیم کا چچا جو بت تراش تھا ۔ خاراتراشی: سنگ تراشی، بت بنانا ۔ کارِ خلیلاں : بت شکنوں کے کام ۔ آزر بت تراش تھا اور اپنے ہم پیشہ افراد کی طرح پتھروں کو تراش کر بت بنایا کرتا تھا ۔ اس کے برعکس پیغمبر خدا حضرت ابراہیم خلیل اللہ تو اپنی شیریں بیانی سے پتھر دل لوگوں کے سینوں میں گداز پیدا کر دیتے تھے ۔ مراد یہ ہے کہ آزر اتنا بڑا بت تراش ہونے کے باوجود اس انسانی عظمت سے محروم رہا جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ان کی شیریں بیانی اور انسانی راہنمائی کے سبب حاصل ہوئی ۔

تو زندگی ہے پائندگی ہے
باقی ہے جو کچھ سب خاک بازی

مطلب: خاک بازی: مٹی کا کھیل، ناپائیدار

مطلب: علامہ نظم کے اس آخری شعر میں اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تو ہی میری زندگی ہے اور تجھی سے بہت کچھ حاصل ہوا ہے باقی سب بے معنی بات ہے ۔

(53)

مری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عامی
دیا ہے میں نے انہیں ذوقِ آتش آشامی

معانی: آتش آشامی: آگ پینا یعنی شراب پینا ۔
مطلب: میرے اشعار میں جو زور ہے اس کے سبب نہ صرف یہ کہ اہل معرفت بلکہ عام لوگوں میں بھی زندگی کی لہرپیدا ہو گئی ہے ۔ میں نے اپنے نغموں کے ذریعے ان میں وہ روح پھونک دی ہے جس نے انہیں جوش عمل سے سرشار کر دیا ہے ۔

حرم کے پاس کوئی اعجمی ہے زمزمہ سنج
کہ تار تار ہوئے جامہ ہائے احرامی

معانی: زمزمہ سنج: گانا گانے والا ۔ جامہ ہائے احرامی: حج کے موقعے کا لباس، ملت اسلامیہ کا جذبہ اور ولولہ ۔
مطلب: اب تو ملت کی بے عملی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ حرم کعبہ کے نزدیک جا کر بھی لوگ مسلمانوں پر طنز کرنے لگے ہیں کہ ان میں فرض کی ادائیگی کا جذبہ مفقود ہو کر رہ گیا ہے ۔

حقیقت ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

معانی: حقیقت ابدی: ہمیشہ قائم رہنے والی سچائی ۔ مقام شبیری: حضرت امام حسین کا مقام ۔
مطلب: حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو حقائق سے بے بہرہ ہیں ان کا طرز عمل تو ہر لمحے تبدیل ہوتا رہتا ہے لیکن نواسہ رسول حضرت امام حسین کی سچ کو زندہ رکھنے کے لیے قربانی ایک ہمیشہ زندہ رہنے والی حقیقت ہے کی علامت بن گئی ہے چودہ سو سال سے زیادہ

عرصہ گزر جانے کے باوجود نواسہَ رسول اور ان کے رفقاء نے میدان کربلا میں اپنی جان و مال قربان کر کے اسلام کو جس طرح نئی زندگی عطا کی ہے اس کے سبب یہ قربانی لازوال حیثیت اختیار کر گئی ۔ لیکن ان کے قاتلوں یعنی کوفیوں اور شامیوں کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا ۔

مجھے یہ ڈر ہے مقامر ہیں پختہ کار بہت

نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی

معانی: مقامر: جواری، مراد انگریز حکمران ۔ پختہ کار: عیار، چالاک ۔

مطلب: مجھے اس امر کا خدشہ ہے کہ تو سیدھا سادا اور ناتجربہ کار شخص ہے جب کہ تیرے حریف انتہائی عیار اور چالاک واقع ہوئے ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ فی زمانہ لوگ اس قدر عیار ہو چکے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ۔

عجب نہیں کہ مسلماں کو پھر عطا کر دیں

شکوہِ سنجر و فقرِ جنید و بسطامی

معانی: شکوہِ سنجر: سنجر کی شوکت ۔ فقرِ جنید و بسطامی: حضرت جنید و بسطامی کا فقر و درویشی ۔

مطلب: رب ذوالجلال اس قدر رحیم و کریم ہے کہ ملت اسلامیہ کی تمام تر خامیوں کے باوجود دینے پر آئے تو اسے ایک بار پھر سلطان سنجر جیسا جاہ و جلال اور حضرت جنید و بسطامی جیسا فقر اور روحانی عظمت عطا کر دے ۔

قبائے علم و ہنر لطفِ خاص ہے ورنہ

تری نگاہ میں تھی میری ناخوش اندامی

معانی: ناخوش اندامی: جسم کا بے ڈھب ہونا جو اچھے لباس کے لائق نہ ہو۔

مطلب: میں تو جو کچھ بھی تھا اس کا اگرچہ تجھے اے رب ذوالجلال پوری طرح سے علم تھا اس کے باوجود یہ تیری رحمت اور کرم ہے کہ تو نے مجھے علم وہ ہنر کے اعزاز سے بہرہ ور کیا۔

(54)

ہر اک مقام سے آگے گزر گیا مہِ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ و دو

معانی: بے تگ و دو: کوشش کے بغیر۔
مطلب: اقبال نے اپنے کم و بیش تمام اشعار میں انسان بالخصوص مسلمانوں کو عملی جدوجہد کی ترغیب دی ہے ۔ اس نظم کے اشعار میں بھی انھوں نے مختلف حوالوں سے یہی بات دہرائی ہے ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عملی جدوجہد کے بغیر آج تک کوئی فرد کمال حاصل نہیں کر سکا ۔ اس کی مثال چاند کی ہے جو اول اول ہلال کی صورت میں نمودار ہوا اور پھر کسی مقام پر ٹھہرے بغیر آخر کار بدرِ کامل کا روپ اختیار کر گیا ۔ مراد یہ ہے کہ یہ حرکت کا عمل ہی تھا جس نے ہلال کو بدر کامل بننے میں مدد دی ۔

نفس کے زور سے وہ غنچہ وا ہوا بھی تو کیا
جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو

معانی: غنچہ وا ہوا: غنچہ کھل گیا ۔
مطلب: سورج کی حدت کے بغیر غنچہ، پھول بن کر شگفتگی اور تازگی حاصل نہیں کر سکتا ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ انسان پھونکیں مار مار کر غنچہ کو نہ پھول بنا سکتا ہے نہ اس میں رنگ و روپ پیدا کر سکتا ہے ۔

نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو

مطلب: دل اسی صورت میں پاک و پاکیزہ رہ سکتا ہے کہ یہ پاکیزگی انسان کی نگاہ میں بھی موجود ہو کہ قدرت نے عملاً دل کو نگاہ کا تابع پیدا کیا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ انسان کی نظروں میں پاکیزگی اور لطافت ہوگی تو اس کے اثرات دل تک بھی پہنچیں گے ۔

پنپ سکا نہ خیابان میں لالہَ دل سوز
کہ سازگار نہیں یہ جہانِ گندم و جو

معانی: لالہَ دل سوز: لالے کا پھول ۔

مطلب: لالے کا پھول باغوں میں نہیں کھلتا وہ تو ایک طرح کا خودرو پھول ہے ۔ جو صحرا و کوہسار میں ہی اپنی بہار دکھاتا ہے ۔ باغوں کی محدود فضا اس کے لیے سازگار نہیں ۔ اقبال کی مراد دراصل اس حوالے سے ان مسلمانوں کی جانب ہے جو کوہ و صحرا کی فضا میں پرورش پاتے ہیں اور دنیا بھر سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیتے ہیں ۔

رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہَ خسرو

معانی: ایبک: قطب الدین ، ہندوستان کا پہلا سلطان جس نے دہلی کو فتح کیا اور حکومت اسلامی کی بنیاد رکھی ۔ غوری: سلطان شہاب الدین غوری ان کا غلام قطب الدین ایبک تھا ۔

مطلب: امیر خسرو نے جو نغمے تخلیق کیے تھے ان کی گونج آج بھی برقرار ہے ۔ آج بھی فضا میں یہ نغمے اپنی آب و تاب کے ساتھ زندہ ہیں ۔ ان کے برعکس سلطان قطب الدین ایبک اور شہاب الدین غوری کے معرکے محض تاریخ تک محدود ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ تخلیق فن لازوال ہوتا ہے اور ہمیشہ زندہ رہتا ہے ۔

(56)

کھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ ہوش
اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ فردا ہے نہ دوش

معانی: صاحبِ ہوش: عقل مند ۔ فردا: آنے والا کل ۔ دوش: گزرا ہوا کل ۔
مطلب: دانشوروں سے مخاطب ہوتے ہوئے اقبال اس شعر میں کہتے ہیں کہ عہد کی صبح اور شام میں گم ہوکر نہ رہ جاؤ کہ یہ عمل محض اسی دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ ایک اور دنیا بھی ہے جس میں صبح اور شام کا کوئی وجود نہیں ۔

کس کو معلوم ہے ہنگامۂ فردا کا مقام
مسجد و مکتب و مےَ خانہ ہیں مدت سے خموش

معانی: ہنگامۂ فردا: مستقبل کا ہنگامہ ۔
مطلب: دوسرے شعر میں کہا گیا ہے کہ مستقبل کے بارے میں وجود پذیر ہونے والے واقعات کا ادراک کس کو ہو سکتا ہے جب کہ ہمارے عہد کی مساجد، درس گاہیں مےَ خانے تو شعور سے بیگانے ہیں اور وہاں کبھی لوگوں کی جو تربیت ہوتی تھی وہ سلسلہ بھی قریب قریب ناپید ہو چکا ہے ۔ جب صورت حال یہ ہو تو مستقبل کے معاملات کا اندازہ آخر کون کر سکے گا ۔

میں نے پایا ہے اسے اشکِ سحر گاہی میں
جس دُرِ ناب سے خالی ہے صدف کی آغوش

معانی: اشکِ سحر گاہی: صبح اٹھ کر رو کر دعائیں کرنا ۔ جس درِ ناب: عمدہ، خالص موتی ۔ صدف: سیپی ۔

مطلب: صبح کی عبادت و دعا کے دوران میں جو عرفان خداوندی حاصل کرتا ہوں وہ ایک ایسے گوہر نایاب کی مانند ہے جس کا وجود صدف کی آغوش میں بھی ممکن نہیں ۔

نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش

معانی: چہرہ روشن ہو تو کیا: باطن روشن ہو تو کیا ۔ گلگونہ فروش: چہرے کو ابٹن لگا کر سفید کرنا گویا روشن چہرہ کسی بیرونی مصنوعی رنگ سے نہیں چمک سکتا ۔

مطلب: اقبال اپنے ہم عصر دانشوروں کی مانند عہد کی تہذیب سے ہمیشہ بدظن نظر آتے ہیں ۔ ان کے نزدیک یہ تہذیب ایک طرح کی ملمع سازی کے سوا اور کچھ نہیں چنانچہ ان کے نزدیک جب انسانی چہرہ صاف و شفاف ہو تو پھر اس کے لیے غازہ کی ضرورت نہیں ۔

صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے
گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش

مطلب: اس شعر کے مطابق اگرچہ ہر دانشور ہمیشہ اپنی رائے کو صحیح جانتے ہوئے حرف آخر سمجھ لیتا ہے ۔ تاہم اس حقیقت کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کبھی کبھی غلطی کا امکان بھی ہو سکتا ہے ۔

(57)

تھا جہاں مدرسہَ شیری و شاہنشاہی
آج ان خانقھوں میں ہے فقط روباہی

معانی: روباہی: لومڑی کی طرح بزدل ۔
مطلب: ماضی کے حوالے سے اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ جن تربیت گاہوں میں شیر شاہ سوری جیسے عظیم المرتبت اور جہاں باہمت حکمرانوں کا دور دورہ تھا وہ آج اپنی بے عملی کے سبب بزدل اور ناکارہ لوگوں کی آماجگاہ ہیں ۔

نظر آئی نہ مجھے قافلہ سالاروں میں
وہ شبانی کہ ہے تمہیدِ کلیم اللہی

معانی: شبانی: چرواہا بن کر بکریاں چرانا ۔ کلیم اللہی: حضرت موسیٰ کی طرح سے اللہ سے ہم کلام ہونا، یہاں مراد ہے باطل قوتوں سے ٹکرا جانا ۔
مطلب: ہمارے عہد کے قائدین میں وہ تربیت اور جوہر مفقود ہے جو کہ حضرت موسیٰ جیسے باوقار پیغمبر میں موجود تھا ۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ نے سالہا سال تک حضرت شعیب کی بکریاں چرا کر اپنا مقصود حاصل کیا اور بنی اسرائیل کی رہنمائی کا شرف پایا ۔

لذت نغمہ کہاں مرغِ خوش الحان کے لیے
آہ اس باغ میں کرتا ہے نفس کوتاہی

معانی: خوش الحان: اچھی آواز والا ۔
مطلب: جس ناساز گار ماحول میں حبس کا سا سماں ہو وہاں کسی بھی آزاد منش انسان کے لیے سانس لینے کی گنجائش کہاں ہوتی ہے ۔

ایک سرمستی و حیرت ہے سراپا تاریک
ایک سرمستی و حیرت ہے تمام آگاہی

معانی: ایک سرمستی و حیرت: مراد عشق ۔ تمام آگاہی: پوری طرح باخبر ہونا ۔
مطلب: جو شخص معرفت الٰہی سے آگاہ ہوتا ہے ایک سرمستی و حیرت تو اس کے لیے ہر ممکن سطح پر آگاہی کی آئینہ دار ہوتی ہے ۔ جب کہ اسی حوالے سے دوسرا عمل فلسفیوں سے تعلق رکھتا ہے جہاں سرمستی و حیرت کے باوجود کسی منزل پر نہیں پہنچ سکتا ۔

صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکرِ بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی

معانی: صفتِ برق: بجلی کی طرح ۔ فکر بلند: بلند خیالی ۔ ظلمتِ شب: رات کا اندھیرا ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ میری فکر اس بلند اور روشن ہے کہ اس کو برق تابناک سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔ جو شب کی تاریکی میں مسافروں کی رہنمائی کرتی ہے ۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ میری فکر اور میری شاعری بھی اسی طرح سے انسانوں کی رہنمائی کے فراءض انجام دیتی ہے تو کسی طور پر یہ بات غلط نہ ہوگی ۔ اقبال کے نزدیک ان کی فکر اور شاعری روشن چراغ کی مانند ہے جو لوگوں کو راہ دکھاتا ہے ۔

(58)

ہے یاد مجھے نکتۂ سلمانِ خوش آہنگ
دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لیے تنگ

معانی: سلمان: مسعود سعد سلمان ، غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا ۔ نکتہ: گہری بات ۔ خوش آہنگ: اچھے لہجے والا ۔ مردانِ جفاکش: سخت محنت کرنے والے لوگ ۔

مطلب: تین اشعار پر مشتمل اس مختصر سی مگر خوبصورت نظم میں اقبال نے عہد غزنوی کے ممتاز فارسی شاعر مسعود سعد سلمان کے ایک نکتے کو پیش نظر رکھا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شخص لاہور میں ہی پیدا ہوا پھر عہد غزنوی میں ایک عرصے تک لاہور کا حاکم رہا اور کسی فروگذاشت کی بنیاد پر بعد میں زیرِ عتاب آیا اور قید کر دیا گیا ۔ چنانچہ سلمان کے حوالے سے اقبال کہتے ہیں کہ یہ دنیا جوانمردوں اور سخت کوش لوگوں کے لیے تنگ نہیں ہو سکتی ۔ وہ تو جہاں بھی جائیں گے اپنی ہمت ، سخت کوشی اور جرات کے سبب اطمینان کی زندگی بسر کریں گے ۔ ان کی راہ میں کوئی مشکل بھی حائل نہیں ہو سکتی ۔

چیتے کا جگر چاہیے ، شاہیں کا تجس
جی سکتے ہیں بے روشنیِ دانش و فرہنگ

معانی: چیتے کا جگر: بلند ہمتی ۔ تجس: تلاش کرنا، تیزنگاہی ۔

مطلب: اس شعر میں وہ کہتے ہیں کہ انسان کے لیے علم و دانش کی روشنی بھی بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس کے باوجود ان خصوصیات کے بغیر انسان زندہ رہ سکتا ہے ۔ لیکن اس میں اگر جرات و حوصلہ مندی اور عملی جدوجہد کا جذبہ نہ ہو تو اس کی ہستی ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہے ۔

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

معانی: بلبل و طاؤس: بلبل اور مور ۔

مطلب: یوں تو بلبل اور مور جیسے خوش گلو اور خوش نما پرندے بھی نظر کے سامنے رہتے ہیں لیکن ان کے بارے میں سوچنا تو بے معنی سی بات ہے اس لیے کہ بلبل تو محض خوب صورت آواز اور مور محض خوبصورت رنگوں کا استعارہ ہے ۔

(59)

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ

معانی: تاج و سریر: تاج اور تخت ۔ شاہوں کا شاہ: بہت بڑا بادشاہ ۔
مطلب: فقیر محض درویشی سے عبارت نہیں ہے بلکہ اس میں استغنا کا وہ پہلو بھی شامل ہے جو معجزوں کا سبب ہوتا ہے اور انہی معجزات کے تحت انسان تاج و تخت ، بادشاہی اور لشکر کا مالک بن جاتا ہے ۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو فقر محض درویشی ہی نہیں بلکہ سرداروں کا سردار اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے ۔ یہ سب مناصب فقر کے کرشمے ہیں ۔

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

معانی: مقصود، مقصد، مدعا ۔ عفت: پاک دامنی ۔ پاکی عقل و خرد: عقل کی پاکبازی ۔ عفت قلب و نگاہ: دل و نظر کی پاکیزگی ۔
مطلب: فقر انسان کو ایسی معراج عطا کرتا ہے جہاں وہ سب کچھ اپنی نگاہوں سے دیکھنے کا اہل ہوتا ہے ۔ جب کہ علم سب کچھ دیکھنے دکھانے سے محروم ہے البتہ ان کے بارے میں تفصیلات ضرور فراہم کر سکتا ہے ۔ ان دونوں کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ فقر میں مست و بیخود ہو جانا عین ثواب ہے کہ اس کا تعلق عشق حقیقی سے ہوتا ہے ۔

علم فقیہ و حکیم ، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ

معانی: فقیہ: اسلامی اصولوں کے مطابق قانون سازی کرنے والا ۔ جویائے راہ: راستہ تلاش کرنے والا ۔ دانائے راہ: راستے سے واقف ۔

مطلب: علم اور فقر دونوں ہی اگرچہ اپنے اپنے طور پر خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود حقیقی نہیں تاہم علم خالق حقیقی کو ظاہری سطح پر دیکھتا ہے لیکن فقر اپنے موجود کو باطنی سطح پر دیکھنے کا ادراک رکھتا ہے ۔ معرفت خداوندی سے دونوں ہی بہرہ ور ہیں لیکن اس تک رسائی کے لیے راہیں الگ الگ ہیں ۔

فقر مقامِ نظر ، علم مقام خبر
فقر میں مستی ثواب علم میں مستی گناہ

معانی: فقر انسان کو ایسی معراج عطا کرتا ہے کہ جہاں وہ سب کچھ اپنی نگاہوں سے دیکھنے کا اہل ہوتا ہے ۔ جب کہ علم سب کچھ دیکھنے دکھانے سے محروم ہے البتہ ان کے بارے میں تفصیلات ضرور فراہم کر سکتا ہے ۔ ان دونوں کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ فقر میں مست و بیخود ہو جانا عین ثواب ہے کہ اس کا تعلق عشق حقیقی سے ہوتا ہے اس کے برعکس علم کے لیے مست و بے خود ہونا گناہ کے مترادف ہے ۔ اس لیے کہ یہ صورت حال علم کی افادیت کو زائل کر دیتی ہے ۔

علم کا موجود اور، فقر کا موجود اور
اشھد ان لا الہ ، اشھد ان لا الہ

معانی: اشھد ان لا الہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔

مطلب: علم اور فقر دونوں ہی اگرچہ اپنے اپنے طور پر خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود حقیقی نہیں تاہم علم خالق حقیقی کو ظاہری دیکھتا ہے لیکن فقر اپنے موجود کو باطنی سطح پر دیکھنے کا ادراک رکھتا ہے ۔ معرفت خداوندی سے دونوں ہی بہرہ ور ہیں لیکن اس تک رسائی کے لیے راہیں الگ الگ ہیں ۔

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ

مطلب: فقر کے ساتھ جب خودی کا جذبہ بھی شامل ہو جائے تو یہ ارتباط اتنی بڑی قوت بن جاتا ہے کہ دونوں اوصاف اگر ایک ہی سپاہی میں یک جا ہو جائیں تو وہ پورے لشکر سے عہد برآ ہونے کی صلاحیت کا مالک بن جاتا ہے ۔

دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگہ توڑ دے آئنہ مہر و ماہ

معانی: آئنہ مہر و ماہ: سورج اور چاند کا آئنہ ۔
مطلب: نظم کے آخری شعر میں اقبال فرماتے ہیں کہ اگر اس کرہ ارض کے کسی باشندے کا دل بیدار عشق حقیقی سے معمور ہو تو وہ چاند اور سورج کے آئینے کو توڑ کر رکھ دیتا ہے ۔ علامہ نے ان اشعار میں علم، فقر اور دل کی مثلث وضع کی ہے اس سے ان تینوں کے اوصاف واضح ہوتے ہیں اور سب س بلند مرتبہ دل کے حصے میں آتا ہے ۔

(60)

کمالِ جوشِ جنوں میں رہا میں گرمِ طواف
خدا کا شکر سلامت رہا حرم کا غلاف

معانی: کمال جوش ِجنون: جنون کا جوش بہت زیادہ ہونا ۔ گرمِ طواف: طواف میں مصروف ۔ حرم کا غلاف: اس جوش میں غلاف اتفاقاً بچ گیا ۔

مطلب: علامہ فرماتے ہیں کہ جب میں کعبے کے گرد طواف میں مصروف تھا تو عشق میں وہ کیفیت پیدا ہوئی جسے دیوانگی کی انتہائی شکل سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اس کیفیت میں حرم کا غلاف صحیح و سلامت رہ گیا تو اس میں شکر خداوندی ادا کرنا چاہیے ورنہ عالم دیوانگی میں کیا کچھ نہیں ہو سکتا ۔

یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لیے
کہ یک زباں ہیں فقیہانِ شہر میرے خلاف

معانی: فقیہان شہر: شہر کے علماء ۔

مطلب: اقبال نے اہل ایمان کو بڑے طنزیہ انداز میں یوں مبارک باد سے نوازا ہے کہ شہر کے سارے قاضی و ملا اپنی فطرت کے خلاف کسی بات پر متفق تو ہوئے اور اس اتفاق رائے کی تحریک میرے فکر و نظر سے اختلاف کی بنیاد ہے ۔ مراد یہ ہے کہ یہ طبقہ تو خدا اور رسول ﷺ کو بھی اختلافی مسئلہ بنائے بیٹھے ہیں ۔ کم از کم میری ذات کی حد تک ایک معاملے میں اس نوعیت کی ذہنی ہم آہنگی معجزے سے کم نہیں ۔

تڑپ رہا ہے فلاطوں میانِ غیب و حضور
ازل سے اہلِ خرد کا مقام ہے اعراف

معانی: اعراف: جنت اور دوزخ کے درمیان کا مقام ۔
مطلب: ابتدائے آفرینش سے اہل خرد کا مقام جنت اور دوزخ کے مابین اعراف ہی رہا ہے ۔ اس کی ایک مثال یونان کے مشہور فلسفی افلاطون کی ہے جو ایک روایت کے مطابق بقول اقبال اعراف میں تڑپ رہا ہے ۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ تجلی ذات خداوندی سے آسودہ ہوا یا نہیں ۔ ابھی تک یہ معاملہ ایک سوالیہ نشان کی مانند ہے ۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی، نہ صاحب کشاف

معانی: رازی: ایک فلسفی و مفسر ۔ صاحب کشاف: مشہور مفسر قرآن ابوالقاسم زمخشری ۔
مطلب: اے مرد مومن جب تک تیرا ضمیر صحیفہ آسمانی کے عرفان سے آشنا نہیں ہوتا اور تو خود اس کے بین کشاف بھی تجھ پر عقدہ نہیں کھول سکتے کہ قرآن کی تفہیم محض تفاسیروں کی مدد سے ممکن نہیں ۔ اس کے لیے تو قلب و روح کو اس کا جزو بنانا ناگزیر ہوتا ہے ۔

سرود و سوز میں ناپائیدار ہے ، ورنہ
مئے فرنگ کا تہ جرعہ بھی نہیں ناصاف

معانی: مئے فرنگ کا تہ جرعہ: فرنگی شراب کا نچلا قطرہ ۔
مطلب: مغرب کے علوم کی افادیت مسلم لیکن بد قسمتی سے ان میں پائیداری کا فقدان ہوتا ہے ۔

(61)

شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب
مقامِ شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب

معانی: شعور و ہوش و خرد: تینوں ہم معنی و ہم مقصد ہیں ۔
مطلب: عشق میں تو انسان ہر شے سے بیگانہ ہو کر نفع نقصان کی تمیز کئے بغیر بر سر عمل رہتا ہے جب کہ انسانی شعور، ہوشمندی اور عقل کسی بھی عمل سے قبل اس سے حاصل ہونے والے نفع نقصان کا گہری نظر سے جائزہ لیتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عناصر اور عشق کے مابین ایک طرح کی رقابت پائی جاتی ہے ۔ اقبال نے ایک دوسرے مشہور شعر میں کم و بیش اسی مضمون کو ایک نئے انداز سے باندھا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق ---- عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہو گا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

معانی: مسائل نظری: منطقی دلیلوں سے حل کیے جانے والے مسئلے ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ آج صورت احوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے قوم کی صحیح بنیاد پر رہنمائی کرنا تھی وہ تو اپنے منصب سے لاتعلق ہو کر فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئے ہیں ۔ ایسی صورت میں قوم کیا حشر کیا ہو سکتا ہے ۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔

اگرچہ میرے نشیمن کا کر رہا ہے طواف
مری نوا میں نہیں طائرِ چمن کا نصیب

معانی: طائر چمن: باغ کا پرندہ ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال نے واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ وہ لوگ میری شاعری میں سے کسی طور پر بھی استفادہ نہیں کر سکتے جو اس کے حقیقی مفاہیم اور اس میں موجود فکر سے آگاہ نہیں ۔ نیز اس پر عمل کرنے کا حوصلہ بھی نہیں رکھتے ۔

سنا ہے میں نے سخن رَس ہے ترکِ عثمانی
سنائے کون اسے اقبال کا یہ شعرِ غریب

معانی: سخن رس: بات کو پا لینے والا ۔
مطلب: یہ شعر علامہ نے ترکی کے نجات دہندہ کمال اتا ترک کے حوالے سے کہا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہرچند یہ مرد مجاہد دوررس نگاہ کا حامل ہے لیکن کوئی اگر اسے میرا یہ پیغام پہنچا دے تو مناسب ہو گا ۔ یہ پیغام اگلے شعر میں موجود ہے ۔

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب

معانی: ہم جوار: ہم وطن ۔ نشیمن: قیام گاہ ۔
مطلب: جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ مصطفی کمال پاشا کے نام اقبال کے پیغام کے حوالے سے یہ شعر بھی اوپر والے شعر کا تسلسل ہے کہ اے ترکی کے مجاہدو! تم جو یورپ کی تقلید کر رہے ہو اور اس کی ہمسائیگی پر نازاں ہو اس حقیقت کو کیوں فراموش کر بیٹھے ہو کہ مرتبہ و عظمت کے حوالے سے یورپ کے مقابلے میں تمہارا ستارہ ہمیشہ بلند رہا ہے ۔

رباعی 1)

رہ و رسمِ حرم نامحرمانہ
کلیسا کی ادا سوداگرانہ

تبرک ہے مرا پیراہنِ چاک
نہیں اہلِ جنوں کا یہ زمانہ

معانی: حرم: کعبہ یعنی مسجدیں وغیرہ ۔ کلیسا: گرجا ۔ سوداگرانہ: تجارت کرنے والا ۔ پیراہن: لباس ۔ اہل جنوں: اربابِ عشق ۔ چاک: کھلا ہوا ۔

مطلب: اس رباعی میں اقبال نے مذہبی اداروں کے منفی کردار کا جائزہ لیتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہرچند یہ عہد اہل جنوں کے لیے سازگار نہیں پھر بھی میری فکر اور نقطہ نظر کو پیش نظر رکھا جائے تو آج کا انسان اس سے کچھ استفادہ کر سکتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ حرم اور کلیسا (مسلمانوں اور عیسائیوں) میں جو لوگ بر سر اقتدار اور مسلط ہیں وہ قطعی طور پر اس کے اہل نہیں ۔

رباعی 2)

ظلامِ بحر میں کھو کر سنبھل جا
تڑپ جا پیچ کھا کھا کر بدل جا

نہیں ساحل تری قسمت میں اے موج
ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا

معانی: ظلام: اندھیرا ۔ بحر: سمندر ۔

مطلب: انسانی زندگی تو ایک بحرِ بے کنار کے مانند ہے جس میں ایسے پیچیدہ مسائل موجود ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے انتہائی جدوجہد کی ضرورت ہے ۔ اس کے باوجود اگر قسمت یاوری نہ کرے تو خود کو اس مخمصے سے علیحدہ کر لے ۔ مراد یہ ہے کہ زندگی بے شک انتہائی کٹھن اور مشکل معاملات سے دوچار ہے اس کے باوجود جوان ہمت لوگوں کی ذمے داری یہ ہے کہ اس پیچیدہ صورت حال سے نمٹنے کے لیے راہ خود ہموار کریں اور پھر بھی ناکامی کا خدشہ ہو تو راہ بدل لیں ۔ اور کوئی مناسب طرز عمل اختیار کریں ۔

رباعی (3

مکانی ہوں کہ آزادِ مکاں ہوں
جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں

وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست
مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں

معانی: مکانی: دنیا ۔ آزادِ مکاں

مطلب: مجھے ابھی تک اس حقیقت کا ادراک نہیں ہوا کہ اس جہان ارضی میں میری اپنی حقیقت کیا ہے ۔ قدرت نے کچھ وسائل

ضرور فراہم کیے اس کے باوجود خود کو بے وسیلہ محسوس کر رہا ہوں اور یہ پتہ نہیں چل رہا کہ میں جس معاشرے میں زندگی گزار رہا ہوں اس کے حدود کیا ہیں ۔ یہ حدود ہیں بھی یا نہیں ہیں ۔ کبھی یوں لگتا ہے کہ یکہ وتنہا ایک ویرانے میں کھڑا ہوں اور کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ پوری کائنات میں ہی تو ہوں ۔ زندگی کا یہ تضاد میری سمجھ سے بالاتر ہے ۔ بے شک رب ذوالجلال کی لامکانی مسلمہ ہے لیکن مجھے کم ازکم یہ تو بتایا جائے کہ میرا اپنا مقام اور حدود اربعہ کیا ہے

رباعی (4

خودی کی خلوتوں میں گم رہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں

نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جلوہَ دوست
قیامت میں تماشا بن گیا میں

معانی: خلوت: تنہائی، علیحدگی ۔ جلوہَ دوست: محبوب حقیقی کا دیدار ۔

مطلب: اس رباعی میں اقبال نے اپنی ذات کے حوالے سے ایک تصوراتی منظر نامہ پیش کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ روز قیامت جب میدان حشر میں سب لوگ جمع تھے اور خالق حقیقی کا جلوہ دیکھنے میں مگن تھے تو میں اس وقت بھی اپنی خودی میں مگن تھا اور اس مرحلے پر بھی خالق حقیقی کا جلوہ دیکھنے سے بے نیاز رہا جس کے نتیجے میں وہاں موجود لوگوں کے درمیان تماشا بن کر رہ گیا ۔

رباعی (5

پریشاں کاروبار آشنائی
پریشاں تر مری رنگیں نوائی

کبھی میں ڈھونڈتا ہوں لذت وصل
خوش آتا ہے کبھی سوز جدائی

معانی: پریشاں : بکھرے ہوئے ۔ آشنائی: دوستی ۔ رنگیں نوائی: خوبصورت باتیں بھی زیادہ پریشاں ہیں ۔ وصل: ملاپ ۔
مطلب: یہاں اقبال نے عاشقی کے حوالے سے اپنی ذاتی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ عشق کے عمل میں انسان بے شک اضطراب وانتشار کا شکار تو ہمیشہ رہتا ہے ۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ میری نغمہ سرائی کا عمل بھی انتہائی اضطراب وانتشار کے مراحل سے گزر رہا ہے ۔ اس اضطراب وانتشار کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ کسی مرحلے پر تو مجھے لذت وصل کی طلب ہوتی ہے اور کبھی محبوب کے ہجر سے پیدا ہونے والی کیفیت اپنی تمام تر شورش کے باوجود دل پسند محسوس ہوتی ہے ۔

رباعی (6

یقین مثلِ خلیل آتش نشینی
یقین اللہ مستی ، خود گزینی

سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے ابتر ہے بے یقینی

معانی: خود گزینی: اپنے آپ کو چننا، اختیار کرنا اپنی ذات کی حقیقت سمجھ کر اس پر پختہ ہو جانا ۔
مطلب: اس رباعی میں علامہ نے یقین کامل کی ماہیت بیان کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ چند سوال اٹھائے ہیں بلکہ ساتھ ہی ان کے جوابات مختصر اور جامع انداز میں پیش کئے ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم سوچتے ہیں کہ یقین کامل کیا ہے تو اس کا بڑا آسان اور مثبت جواب پیغمبر بر حق حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے عمل میں مل جاتا ہے کہ بے دھڑک انجام کی پروا کئے بغیر آتش نمرود میں کود پڑے تھے ۔ اقبال نے خود ایک دوسرے مقام پر اسی مضمون کے حوالے سے کہا ہے ، بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق ۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ یقین عشق خداوندی اور اس کی مستی میں چور ہونے کا نام بھی ہے ۔ چنانچہ اے تہذیب حاضر کے سحر میں گرفتار شخص سن کہ بے یقینی کو دیکھا جائے تو وہ غلامی سے زیادہ بدتر شے ہے ۔

رباعی (7

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے
حرم کا راز توحیدِ امم ہے

تھی وحدت سے ہے اندیشہَ غرب
کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے

مطلب: حضور سرور دوعالم ﷺ کی ذات والا صفات نے دنیائے عرب کو اس سوز عشق سے بہرہ ور کیا جس میں عجم کی نغمگی بھی شامل تھی یہی سوز عشق ساری کائنات کے لیے بہبودی اور بہتری کے ساتھ مینارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اس کے ساتھ کعبۃ اللہ بھی قوموں میں وحدت کی علامت بن گیا ۔ تہذیب مغرب کے پاس چونکہ کعبہ جیسا کوئی مرکزی ادارہ نہیں ۔ اس لیے وہاں وحدت کا تصور ہی بے معنی شے ہے ۔

رباعی (8

کوئی دیکھے تو میری نے نوازی
نفس ہندی ، مقام نغمہ تازی

نگہ آلودہ انداز افرنگ
طبیعت غزنوی، قسمت ایازی

مطلب: یہ انتہائی مختصر انداز میں اقبال کی سیرت و کردار کا تجزیہ کرتی ہے ۔ امر واقع یہ ہے کہ اپنی ذاتی خصوصیات کا بیان عام طور پر خودستائی سے محمول کیا جاتا ہے ۔ کہیں علامہ اقبال نے انتہائی بے نیازی کے ساتھ اس پورے عمل کو ان چار مصرعوں میں پیش کیا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ اگر میری نغمہ سرائی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ نفس ہندی کے ساتھ نغمے میں عرب کی

حلاوت شامل ہے ۔ اسی مضمون کو علامہ نے ایک اور مقام پر یوں کہا ہے کہ نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری ۔ چنانچہ آگے چل کر کہتے ہیں کہ مغرب کے جلووں سے آلودہ ہے ۔ ہر چند کہ قسمت میں ایاز کے مانند غلامی لکھی ہے ۔ اس کے برعکس فطرت سلطان محمود غزنوی سے ملتی جلتی ہے ۔

رباعی (9

ہر اک ذرہ میں ہے شاید مکیں دل
اسی جلوت میں ہے خلوت نشیں دل

اسیرِ دوش و فردا ہے و لیکن
غلامِ گردشِ دوراں نہیں دل

مطلب: یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہر ذرے کے پہلو میں بھی دل موجود ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ہر نوع کی جلوت میں ہی وہ خلوت کے مزے لے رہا ہے ۔ اگرچہ دل ماضی اور مستقبل کی حدود کا پابند ہے اس کے باوجود وہ زمانے کی گردش کا غلام نہیں بلکہ عملاً آزادی اس کا محور ہے ۔

رباعی (10

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تری پرواز لولاکی نہیں ہے

یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تری آنکھوں میں بیباکی نہیں ہے

مطلب: فرماتے ہیں کہ اے مسلمان! تیرے خیالات میں بلندی اور پاکیزگی نہیں ۔ نا ہی تجھ میں وہ رفعت ہے جو حضور اکرم ﷺ سے محبت کرنے والے میں ہونی چاہیے ۔ اس میں شک نہیں کہ تو بظاہر شاہیں صفت ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں وہ بیباکی اور تڑپ نہیں جو شہباز میں ہوتی ہے ۔

رباعی (11

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی ، گئی روشن ضمیری

خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری

مطلب: اب صورت احوال یہ ہے کہ مرد مومن میں بھی وہ صلاحتیں باقی نہیں رہیں جو اس کا طرہ امتیاز تھیں ۔ یہی کیفیت صوفی اور درویش کی ہے کہ اس میں اور تو سب کچھ ہے روشن ضمیری کا فقدان ہے ۔ ان حالات کے پیش نظر رب ذوالجلال سے اسی قلب و نظر کی استدعا کر جو ذاتی صلاحیتوں کے منبع ہوتی ہیں ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ درویش صفتی ہی حقیقی امارت اور قیادت کی آئینہ دار ہوتی ہے ۔

رباعی (12

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی

زمین و آسمان و کرسی و عرش

خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

مطلب: خودی وہ جذبہ ہے جس کا عرفان حاصل ہو جائے تو انسان کو آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفی کے اوصاف حسنہ کی جھلک نظر آجاتی ہے ۔ داخلی اور باطنی سطح پر رب ذوالجلال کے جلوے اس پر نمایاں ہو جاتے ہیں ۔ دیکھا جائے تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ زمین ،آسمان، کرسی اور عرش غرض تمام عناصر خودی کی زد میں ہیں اور کوئی شے بھی اس سے باہر نہیں ۔

رباعی (13

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں

خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں

نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبحگاہی

اماں شاید ملے اللہ ہو میں

مطلب: معاملہ یہ ہے کہ اس دنیا کے رنگین نظاموں سے انسان مسحور ہو کر رہ گیا ہے اسی طرح اس کی عقل و دانش بھی انتشار کا شکار ہو چکی ہے ۔ اس کیفیت میں تیرے لیے یہ بات لازم ہو گئی ہے کہ علی الصبح بیدا ہو کر خدا سے دعا مانگ اور اللہ ہو کا ورد کر شاید اسی طرح تجھے سکون قلب حاصل ہو جائے ۔

رباعی (14

جمالِ عشق و مستی نے نوازی
جلالِ عشق و مستی بے نیازی

کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدر
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

مطلب: شاعری کے نغموں کی وساطت سے لوگوں تک پیغام خداوندی کی ترسیل کو عشق و مستی کے جمالی شان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔ اسی طرح عشق و مستی میں دنیا اور اس کے جملہ مسائل سے بے نیازی کو اس کی جلالی شان کہہ سکتے ہیں ۔ اب رہا عشق و مستی کا کمال تو یہ مولائے کائنات علی المرتضیٰ کی ذات والا صفات اور کردار میں نظر آجائے گا ۔ جب کہ عشق و مستی کا زوال امام رازی کے اقوال میں موجود ہے ۔

رباعی (15

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے
مری بجلی مرا حاصل کہاں ہے

مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقام دل کہاں ہے

مطلب: اس رباعی میں اقبال نے سوالیہ انداز میں اپنے محبوب حقیقی کو رونق محفل کی طرح پیش کیا ہے ۔ یہاں محبوب سے مراد رب ذوالجلال ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ مفروضہ اپنی جگہ درست کہ خدا ہر جگہ موجود ہے ۔ اس کا وجود بجلی کی رو کے مانند ہے جو نظر نہیں آتی لیکن اپنے وجود کا احساس ضرور دلاتی ہے ۔ وہ یقیناً خدا ہے لیکن اب تک اس کے بارے میں یہ علم نہ ہو سکا کہ اس کا مسکن کونسا ہے ۔ یہ تو کہا جاتا ہے کہ وہ دل کی خلوتوں میں رہتا ہے تا ہم آج تک یہ راز آشکار نہیں ہو سکا کہ دل کے جس مقام پر خدا کا مسکن ہے وہ مقام کہاں ہے ۔ ابھی تک یہ معاملہ سوالیہ نشان کے مانند ہے ۔

رباعی (16

سوارِ ناقہ و محمل نہیں میں
نشانِ جادہ ہوں ، منزل نہیں میں

مری تقدیر ہے خاشاک سوزی
فقط بجلی ہوں میں ، حاصل نہیں میں

مطلب: ناقہ: اونٹنی ۔ محمل: کجاوہ، جس میں اونٹ کی سواری بیٹھتی ہے ۔

مطلب: جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں نہ کوئی والا جاہ ہوں جو ناقہ محمل سے ہٹ کر قدم نہیں رکھتا نا ہی میری حیثیت کسی منزل کی سی ہے ۔ اس کے برعکس میں تو ایک نشان راہ کے مانند ہوں ۔ میں تو برق رخشندہ کے مانند ہوں جو خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں ۔

رباعی (17

ترے سینے میں دم ہے، دل نہیں ہے
ترا دم گرمیِ محفل نہیں ہے

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور

چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

مطلب: اس رباعی میں انسان کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تیرے سینے میں سانس تو موجود ہے مگر دل نہیں ہے اور سانس بھی ایسا ہے کہ اس سے کسی محفل میں گرمی اور ہنگامہ پیدا نہیں ہوتا ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ تو عقل و دانش کا پجاری ہے ۔ اس سے آگے بڑھ کر قدم نہیں رکھ سکتا ۔ چنانچہ اگر تو نے اپنے مقصد کو پانا ہے تو عقل کے مراحل سے آگے گزر کر سوچ ۔ کہ عقل تو محض راہ دکھانے والے ایک معمولی چراغ کے مانند ہے ۔ یہ کوئی منزل کی حیثیت تو نہیں رکھتی جب کہ ناداں لوگ عقل کو ہی حرف آخر سمجھ لیتے ہیں ۔

رباعی (18

ترا جوہر ہے نوری، پاک ہے تو

فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو

ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور

کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تو

مطلب: تجھ میں جو جوہر پوشیدہ ہے وہ پاک و پاکیزہ ہے اور نور خداوندی سے کشید کیا ہوا ہے ۔ یہی وہ جوہر ہے جس کے نور سے آسمانوں کی درخشانی اور تابناکی میں اضافہ ہوتا ہے ۔ تو تو خدائے عزوجل کا ایسا شاہین ہے حور اور فرشتے بھی جس کے شکار ہوتے ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ خدا نے انسان کو تمام مخلوقات سے افضل و برتر پیدا کیا ہے ۔

رباعی (19

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے

صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

مطلب: اس رباعی میں اقبال مسلمانوں کی صورت حال پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں نہ جذبہ رہا نہ غیرت ! نا ہی کچھ کر گزرنے کا جنون برقرار ہے ۔ آج کے مسلماں کی کیفیت تو یہ ہے کہ ان کی صفوں میں نفاق نے بیج بوئے ہوئے ہیں جس کے سبب پریشاں حالی ان کا مقدر بن کر رہ گئی ہے ۔ حد تو یہ ہے خالق حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں تو ان سجدوں میں ذوق اور خلوص ناپید ہوتا ہے اس ساری صورت حال کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل عشق حقیقی کے جذبے سے خالی ہو چکے ہیں ۔

رباعی (20

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقام رنگ و بو کا راز پا جا

برنگ بحر ساحل آشنا رہ
کفِ ساحل سے دامن کھینچتا جا

مطلب: اس رباعی میں اقبال مسلمانوں کو دعوت عمل دیتے ہوئے ایک لاءحہ عمل بھی تجویز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیرے پاس خودی کا جو حربہ ہے وہ اس قدر کارآمد اور طاقتور ہے کہ اس کی مدد سے تو پوری دنیا پر چھا جانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسی کے ذریعے ظاہر و باطن کے سارے بھیدوں سے آگہی بھی حاصل کر سکتا ہے ۔ سمندر کے مانند کناروں سے تیرا رابطہ تو بے شک برقرار رہنا چاہئے لیکن ساحل پر لہریں جو جھاگ اڑاتی ہیں ان سے اپنے دامن کو بچا کے رکھ۔ مراد یہ ہے کہ ایک مکمل انسان کی تعریف یہ ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ دنیا فانی ہے وہ تا زندگی اس میں عملی جدوجہد سے کام لے لیکن خود کو علائق دنیوی سے محفوظ رکھے ۔

رباعی (21

چمن میں رختِ گل شبنم سے تر ہے
سمن ہے ، سبزہ ہے، بادِ سحر ہے

مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم
یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے

مطلب: کائنات میں اگرچہ وہ تمام عناصر موجود ہیں جن کی مدد اور تعاون سے ارتقاء کی منزلیں طے کی جا سکتی ہیں لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ مسلمانوں میں نہ وہ قوت عمل موجود ہے نا ہی وہ عزم و حوصلہ جو کسی انقلاب کے لیے ممدومددگار ثابت ہو سکے اور اس کا پیش خیمہ بن سکے ۔

رباعی (22

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے، چراغِ رہ گزر ہے

درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغِ رہ گزر کو کیا خبر ہے

مطلب: عقل و دانش کے طفیل انسان کو بصیرت مل جاتی ہے جب کہ عقل و دانش تو ایک ایسے چراغ کی مانند ہے جو راستے کو دکھاتا ہے اور اس کو منور کر دیتا ہے ۔ لیکن عقل و دانش جس کو چراغ رہگذر سے تعبیر کیا گیا ہے انسان کی باطنی اور داخلی کیفیت سے بہرور نہیں ہوتی اسی لیے وہ اس کی تکمیل کا باعث نہیں بن سکتی ۔

رباعی (23

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

مطلب: اس رباعی میں اقبال خدائے ذوالجلال کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ نوجوانانِ ملت کو وہ آہ سحر عطا کر جس سے میں خود بہرہور ہوں ۔ ہرچند کہ اپنی فطرت میں یہ بلند پرواز شاہیں کے مانند ہیں تاہم ان کا المیہ یہ ہے کہ اپنی بے عملی کے سبب ان میں آگے بڑھنے کی قوت باقی نہیں رہی چنانچہ میری آرزو اور تمنا یہی ہے کہ تو نے مجھے جو بصیرت کا نور بخشا ہے وہ عام لوگوں خصوصاً نوجوانوں تک پہنچا دے ۔

رباعی (24

تری دنیا جہانِ مرغ و ماہی
مری دنیا فغانِ صبحگاہی

تری دنیا میں، میں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری پادشاہی

مطلب: اے رب دوجہاں تیری دنیا توچرند پرند اور ہر نوع کی زندہ اشیاء سے عبارت ہے جب کہ میری دنیا میں توآہ وزاری کے علاوہ اور کچھ نہیں ۔ یہ ایک سادہ سی رباعی ہے جس میں خالق حقیقی سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ہمارے لیے ترقی کے وسائل پیدا کر دے اس لیے کہ تونے توہمیں اس دنیا میں جس کو خود تونے تخلیق کیا ہے میں ایک محکوم و مجبور انسان کی حیثیت سے زندگی گزار رہا ہوں جب کہ میری اپنی دنیا پر تیرا مکمل تسلط ہے ۔

رباعی (25

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلامِ طغرل و سنجر نہیں میں

جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

مطلب: اے مولا! یہ تیرا کرم ہے کہ مجھ کو تمام صلاحیتوں سے نوازا ہے اور صاحب اقتدار لوگوں کی محکومی اور غلامی سے بچا لیا ہے ۔ ہرچند کہ اپنی فطرت کے مطابق میں دنیا کے جملہ مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں اس کے باوجود جام جمشید کی طرح کسی کا آلہ کار نہیں ہوں ۔

رباعی (26

وہی اصلِ مکان و لامکاں ہے
مکاں کیا شے ہے اندازِ بیاں ہے

خضر کیوں کر بتائے ، کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

مطلب: یہ ذات خداوندی ہے جو کسی ایک مقام تک محدود نہیں بلکہ ہر مقام پر اس کی موجودگی برحق ہے ۔ ویسے بھی یہ محض انداز بیاں کی بات ہے کہ کسی مقام کا تعین کر سکے ۔ اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ اگر کوئی مچھلی جو پانی میں مستقل بودوباش رکھنے پر مجبور ہے وہ ہی اس امر کا کسی سے استفسار کرے کہ دریا کہاں ہے تو اس پر محض حیرت اور تعجب کا اظہار ہی کیا جا سکتا ہے اور بس ۔

رباعی (27

کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہِ شہاں نوشیرواں عشق

کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عریان و بے تیغ و سناں عشق

مطلب: اس رباعی کا موضوع بھی عشق ہے اور یہاں علامہ نے اس کی مختلف جہتیں بیان کی ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ جذبہ عشق ابھی تک آوارگی کے علاوہ بے خانماں ہونے کے مراحل سے گزرتا ہے ۔ کبھی نوشیروان عادل کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے ۔ یہی نہیں کہ ایک مرحلہ تو ایسا بھی آتا ہے کہ میدان جنگ میں زرہ پہن کر برآمد ہوتا ہے لیکن جب یہ جذبہ اپنی انتہا پر پہنچتا ہے تو نہ زرہ پوشی کی ضرورت رہتی ہے نہ مدمقابل کے سامنے اسلحہ کی کہ عشق حقیقی کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

رباعی (28

کبھی تنہائیِ کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق

کبھی سرمایہَ محراب و منبر
کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

مطلب: اس رباعی میں اقبال نے عشق کے جذبے کی لامحدودیت کو اپنا موضوع بنایا ہے ۔ ان کے نزدیک ابھی تک عشق کی آماجگاہ پہاڑوں اور صحراؤں کی وسعت بلندی اور تنہائی ہے ۔ کبھی کسی محفل کا سوز اور سرخوشی عشق کے مظہر ہیں ۔ کبھی یہ عشق جب حقیقت الہٰی سے روشناس ہوتا ہے تو پھر محراب و منبر یعنی مسجد کی محراب اور اس کے منبر کا سرمایہ بن جاتا ہے ۔ اور جب عشق حقیقی کا جذبہ انتہا پر پہنچ جاتا ہے تو مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ کے سیرت و کردار میں ڈھل جاتا ہے اور قلعہ خیبر کے ناقابل تسخیر دروازے کو اکھاڑ کر لشکر اسلامی کی کفار پر فتح کا سبب بن جاتا ہے ۔

رباعی (29

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لا یحزنوں کر

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

مطلب: اس رباعی میں اقبال مالک حقیقی سے استدعا کرتے ہیں کہ اب میں تو ان صلاحیتوں سے محروم ہو چکا ہوں جو میرے اسلاف میں موجود تھیں ۔ خداوندا! مجھ کو بھی عشق حقیقی کا وہ جذبہ عطا کر دے جو میرے بزرگوں کا سرمایہ افتخار تھا اور جس کی بدولت وہ اپنے حریفوں پر سبقت حاصل کرتے تھے ۔ مولا مجھے بھی ہر نوعیت کے غم واندوہ سے نجات دلا دے ۔ اس لیے کہ عقل و دانش کے جو معمے تھے ان کو تو میں حل کر چکا ہوں ۔ اب تو بس مجھے وہ جنون عطا کر دے جو عشق حقیقی کا سرمایہ ہے ۔

رباعی (30

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے

چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ نکتہ میں نے ابوالحسن سے سیکھا ہے کہ انسان بے شک جسمانی سطح پر وفات پا جاتا ہے لیکن اس کی روح زندہ و برقرار رہتی ہے ۔ بالفاظ دگر اگر کرنیں سورج سے رابطہ ختم کر لیں تو سورج میں وہ تابندگی کیسے برقرار رہے گی جو اس کی پہچان ہے ۔ مراد یہ ہے کہ روح کے بغیر انسان محض ایک تودہ خاک ہے ۔ میرے نزدیک ابوالحسن سے یہاں مراد حضرت علی المرتضیٰ ہیں چونکہ وہ امام حسن کے والد محترم بھی تھے اس لیے ان کی کنیت ابوالحسن تھی ۔ رباعی میں جو نکتہ بیان کیا گیا ہے اس کے اشارے قرآن پاک کی ایک آیت کے حوالے سے نہج البلاغہ کے بعض اشعار میں بھی ملتے ہیں کہ خدا نور ہے اور روح اس نور کی کرن یعنی پرتو ہے ۔

رباعی (31

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے

خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے

معانی: خرد: عقل ۔ نیک و بد: نیکی برائی ۔ بیزار: تنگ آنا ۔
مطلب: عقل نہ جانے کیوں اپنی حدود سے آگے نکل جاتی ہے جب کہ بقول اقبال اس میں تو نیک و بد کی تمیز بھی نہیں ہے ۔ یوں لگتا ہے کہ اس رباعی میں اقبال کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں ۔ اس کا اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے جس میں کہتے ہیں کہ نہ معلوم میں کس صورت حال میں گم ہو کر رہ گیا ہوں کہ میری عقل، دل سے بیزار ہے اور دل عقل سے بیزار لگتا ہے ۔

رباعی (32

خدائی اہتمامِ خشک و تر ہے
خداوندا! خدائی دردِ سر ہے

ولیکن بندگی استغفر اللہ
یہ دردِ سر نہیں ، دردِ جگر ہے

معانی: خدائی: مخلوقِ خدا ۔ اہتمام: انتظام ۔ خشک وتر: خشکی زمین سمندر اور دوسرے پانی کے مقام ۔ دردِ سر: سر درد ۔ بندگی: غلامی ۔ استغفراللہ: اللہ مجھے معاف کرے ۔

مطلب: اے مالک دوجہاں ! بے شک یہ حقیقت اپنی جگہ درست سہی کہ پوری کائنات میں خشک وتر کا اہتمام تیرے لیے درد سر کی حیثیت رکھتا ہو گا لیکن میں جو تیرا حقیر بندہ ہوں اس کے لیے بندگی کی جو ذمے داریاں ہیں ان کو بروئے کار لانا تو درد جگر سے کم نہیں جو درد سر سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے ۔

رباعی (33

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا

نہ خودبیں ، نے خدابیں ، نے جہاں بیں
یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا

معانی: یہی آدم: مراد اولادِ آدم ۔ سلطاں : حکمران ۔ بحر وبر کا: زمین اور پانی یعنی دنیا ۔ ماجرا: قصہ بیان کرنا ۔ بے بصر: نابینا، اندھا ۔ خودبیں : خود کو دیکھنا ۔ شہ کار: سب سے بڑا ہنر کا نمونہ یعنی آدمی ۔

مطلب: عشق الہٰی کی یہ منزل جب انسان اپنے رب کی معرفت حاصل کر لیتا ہے ہر کسی کے مقدر میں نہیں ہوتی ۔ اقبال کے

بیشتر عارفانہ کلام بالخصوص اس رباعی کے متن سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عشق الٰہی کی اس منزل تک رسائی حاصل کر چکے تھے ۔ اس رباعی میں وہ جس بے تکلفانہ انداز میں اپنے پالنے والے سے مخاطب ہیں دیکھا جائے تو یہی بے تکلفی ایک لطیف طنز کی شکل اختیار کر لیتی ہے ۔ چنانچہ وہ مالک حقیقی سے استفسار کرتے ہیں کہ انسان کو تو نے خشکی اور تری کا حکمران بنا دیا ہے ۔ کیا یہی تیرے تخلیقی ہنر کا شہ کار ہے کہ اگر اس حقیقت کا تیرے روبرو انکشاف کروں تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اس کی بے بصیرتی کا یہ عالم ہے کہ نہ اسے اپنی حقیقت کا کچھ علم ہے نہ تیری معرفت کا ادراک ہے اور نہ ہی وہ کائنات کے سربستہ رازوں سے آگاہ ہے ۔ اس صورت حال میں اس کو تو نے جو مرتبہ بخشا ہے اس پر حیرت کے سوا اور کس جذبے کا اظہار کیا جا سکتا ہے ۔

رباعی (34

دمِ عارف نسیمِ صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

مطلب: اس رباعی میں کہا گیا ہے کہ جو شخص صاحب عرفان ہوتا ہے اس کا سانس بھی نسیم سحری کے مانند لطافت کی حامل ہوتی ہے اور اسی کے سبب انسان حقیقت ابدی سے آشنا ہوتا ہے ۔ اس کی بے حد اہم مثال رب ذوالجلال کے دو پیغمبروں حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ کی ہے کہ آخر الذکر نے اول اول حضرت شعیب کی بکریاں چرائیں پھر ان کے اتنے محبوب ہو گئے کہ حضرت شعیب نے انہیں اپنا داماد بنا لیا اور بیٹی سونپ دی ۔ مراد یہ ہے کہ صاحب عرفان کسی بھی معمولی شخص کو انتہائی رفعتوں سے دوچار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ۔

رباعی (35

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہے، تو باقی نہیں ہے

مطلب: اقبال کے بقول ملت کی رگوں میں ماضی کی طرح خون کی وہ گردش نہیں رہی جو جوش عمل سے دوچار کرتی تھی ۔ پھر یہ بھی ہے کہ نہ تو دل میں خلوص باقی رہا ہے نہ ایسی خواہش جو عروج انسانی کی مظہر ہوتی ہے ۔ ہرچند کہ آج بھی ظاہری سطح پر نماز، روزہ، قربانی اور حج کی روایات تو باقی رہ گئیں لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ وہ مسلمان باقی نہیں رہا جس کی شخصیت اور کردار ان خصوصیات کے اہل گردانے جاتے تھے ۔

رباعی (36

کھلے جاتے ہیں اسرار نہانی
گیا دور حدیث لن ترانی

ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار
وہی مہدی وہی آخر زمانی

معانی: اسرار: راز ۔ نہانی: خفیہ ۔ لن ترانی: تو مجھے نہیں دیکھ سکتا ۔

مطلب: مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جب دنیا فسق و فجر سے بھر جائے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایک ایسا مہدی بھیجے گا جو باطل کی قوتوں کو مٹا کر رکھ دے گا ۔ اسلام کا ڈنکا نئے سرے سے بجے گا ۔ اس آنے والے کو وہ آخری زمانے کا مجدد سمجھتے ہیں ۔ اس کو اقبال نے مہدی اور آخر زمانی کے لقبوں سے یاد کیا ہے ۔ اس رباعی کے مطابق اب وہ دور آگیا ہے جب کائنات کے تمام راز ہائے سربستہ کھلے چلے جا رہے ہیں ۔ اب وہ زمانہ بھی نہیں رہا کہ حضرت موسیٰ کی طرح جواب ملے لن ترانی یعنی تم ہمارا جلوہ نہیں دیکھ سکتے ۔ چنانچہ بقول اقبال اب تک تو صورت حال اس مرحلے تک آپہنچی ہے کہ جو شخص بھی اول اول خودی کی معرفت حاصل کر سکا وہی مہدی آخر الزمان ٹھہرے گا ۔

رباعی (37

زمانے کی یہ گردش جاودانہ
حقیقت ایک تو باقی فسانہ

کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا
فقط امروز ہے تیرا زمانہ

معانی: جاودانہ: ہمیشہ رہنے والی ۔ دوش: گزرا ہوا دن ۔ فردا: آگے آنے والا دن ۔ امروز: آج کا دن ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ زمانے کی گردش تو ماضی میں بھی جاری رہی ۔ حال میں بھی جاری ہے اور مستقبل میں بھی جاری رہے گی ۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اصل شے وجود انسانی ہے باقی عناصر کو افسانے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جو انسان عملی جدوجہد کا قائل ہے وہ گزرے زمانے کی تلخیوں کو نظر انداز کر دیتا ہے ۔ اور مستقبل کی نامعلوم جہتیں بھی اس کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں کہ ان کا علم تو شاید کسی کو بھی نہ ہو گا ۔ اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کا حقیقی مقصود تو دور حاضر ہے کہ یہ وقت اس کا اپنا ہے اور اس پر ہی ایک فرد بڑے اعتماد کے ساتھ بات کر سکتا ہے ۔

رباعی (38

حکیمی، نامسلمانی خودی کی
کلیمی رمزِ پنہانی خودی کی

تجھے گُر فقر و شاہی کا بتا دوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی

معانی: حکیمی: حکمت، فلسفہ ۔ نامسلمانی: اسلام سے باہر ہونا ۔ کلیمی: حضرت موسیٰ کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ۔ پنہائی: خفیہ اشارے ۔ گر: طریقہ ۔ نگہبانی: حفاظت ۔

مطلب: عقل و دانش اور خودی کے بارے میں علامہ اقبال کے جو تصورات ہیں وہ ان کے بیشتر اشعار اور نظموں کے حوالے سے سامنے آ چکے ہیں ۔ زیر تشریح رباعی بھی انہی تصورات کی آئینہ دار ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ جو انسان حکمت و دانش اور فلسفے کی گتھیوں میں الجھا رہتا ہے اس کا یہ عمل خودی کی نفی ہے اس لیے کہ حکمت و دانش اور فلسفہ اپنے اپنے انداز میں مسائل کا تجزیہ تو کرتے ہیں لیکن ان مباحث اور جائزوں میں نہ تو یقین و اعتماد ہوتا ہے نا ہی وہ عرفان جو ایمان کا جوہر ہے ۔ خودی کے اسرار و رموز کو جاننے کے لیے تو حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبروں کا کردار پیش نظر رکھنا ہو گا کہ جابروں سے مظلوموں کو نجات دلانا جذبہ خودی کا ہی کارنامہ ہے ۔ ایسے ہی کردار میں خودی کے راز مضمر ہوتے ہیں ۔ رباعی کے دوسرے شعر میں اقبال ایک اور نکتہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فقیری اور درویشی میں بھی بادشاہوں جیسی عظمت اور وقار کا حصول اس صورت میں ممکن ہے کہ انسان اپنی خودی کو حرص و ہوس اور ہر نوع کی غلاظت سے بچائے رکھے ۔ یہی وہ گر ہیں جن کے ذریعے خودی کا حقیقی نقشہ سامنے آتا ہے ۔

رباعی (39

ترا تن رُوح سے ناآشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے

تنِ بے روح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ، زندوں کا خدا ہے

معانی: تن: جسم ۔ ناآشنا: ناواقف ۔ نارسا: بے کار ۔
مطلب: اس رباعی میں بے عمل انسان سے خطاب کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ جس طرح روح کے بغیر جسم ایک تو وہ خاک کے مانند ہوا ہے ۔ یہی صورت ایک بے عمل شخص کی ہے حتیٰ کہ خدائے عزوجل جو رحیم و کریم ہے وہ بھی ایسے بے عمل اور بے روح لوگوں کی دعائیں نہیں سنتا اس لیے کہ فی الواقع وہ اس نوع کے افراد سے بیزار رہتا ہے ۔ اور وہ تو چونکہ خود زندہ ہے لہذا خدا بھی زندہ لوگوں کا خدا ہے ۔ زندہ لوگ وہی ہوتے ہیں جن کے جسم میں روح زندہ ہے اور اپنی بقاء کے لیے عملی جدوجہد کے قائل ہیں ۔

رباعی (40

اقبال نے کل اہلِ خیاباں کو سنایا
یہ شعر نشاط آور و پر سوز و طرب ناک

میں صورتِ گل دستِ صبا کا نہیں محتاج
کرتا ہے مرا جوشِ جنوں میری قبا چاک

معانی: خیاباں: کھجوروں وغیرہ کا باغ ۔ نشاط آور: دل کو خوش کرنے والا ۔ پر سوز: گرم، مسرت آمیز۔ دستِ صبا: صبح کی ہوا کا ہاتھ جسے لہرانے سے پھول کھلتے ہیں ۔ مرا جنوں میری قبا چاک: میرا جذبہ محبت مجھے کامیابی عطا کرتا ہے ۔
مطلب: یہ چار مصرعے ایک دلچسپ صورت حال کی جانب اشارہ کرتے ہیں اس صورت حال کو اقبال نے قطعہ میں منکشف کیا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے عملاً ایک دوسرے کی محتاج ہوتی ہے ۔ اس کی مثال غنچے کی ہے کہ باد صبا کی جھونکوں کے بغیر وہ پھول بننے کی استطاعت نہیں رکھتا تاہم صرف انسان کو یہ شرف حاصل ہے کہ کسی کی پروا کیے بغیر اپنی منزل مقصود

تک رسائی حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ انسان تو خودی کے جذبے کی بدولت اپنی پہچان اور معرفت الٰہی سے بہرہ ور ہو جاتا ہے جب کہ دوسری اشیاء کے لیے یہ ممکن نہیں ۔

رباعی ستارے کا پیغام (41

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی

تو اے مسافرِ شب خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی

مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آسمان پر جو ستارہ چمک رہا ہے وہ انسان کو کچھ اس طرح کا پیغام دیتا ہے کہ میری فطرت میں چونکہ پاکیزگی اور تابندگی موجود ہے اس لیے اگر فضا پر تاریکی کا تسلط ہو جائے پھر بھی میں اس سے خوفزدہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ میں تو خود اس نوع کی تاریکی کا سینہ چیر کر فضا کو منور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں ۔ اسی حوالے سے ستارہ شب کو سفر کرنے والے مسافر سے یوں مخاطب ہوتا ہے کہ اگر تجھے اپنے وجود کو برقرار رکھنا ہے تو میری طرح اپنی ذات میں وہ صلاحیت پیدا کر جو کسی دوسرے کے سہارے کے بغیر تیرے لیے روشن چراغ کی طرح رہنمائی کا سبب بن سکے اور اس کے لیے یہ امر بھی ضروری ہے کہ تیرے جگر کا داغ شمع کے مانند تیری تاریک رات کو روشن کر دے ۔ مراد یہ ہے کہ عشق حقیقی بھی ایک روشن ستارے کے مانند ہے جو ماحول کو خواہ وہ کتنا بھی تیرہ و تار ہو تابناک بنا سکتا ہے ۔

رباعی (42

اس کھیل میں تعین مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزیں میں پیادہ

بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرۂ ناچیز
فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

معانی: تعین: مقرر کرنا ۔ مراتب: مرتبہ کی جمع ۔ فرزیں: لفظی معنی وزیر ۔ پیادہ: شطرنج کا سب سے چھوٹا مہرہ ۔

مطلب: اس قطعہ میں متحدہ ہندوستان پر انگریز کی سامراجی سیاست کو اپنا موضوع بنایا ہے ان کے نزدیک برطانوی حکمران یہاں شاطرانہ چالوں سے کام لے رہے ہیں ۔ ان کی سیاست کی بنیاد یہ ہے کہ مقامی ہمنواؤں اور خوشامدیوں کو حسب مراتب عہدے تقسیم کر دیے بالکل اسی طرح جیسے شطرنج کے کھیل میں وزیر اور پیادے ہوتے ہیں اور شاطر ان مہروں سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتا ہے ۔ تاہم یہاں انگریزی شاطروں کی عیاری کا یہ عالم ہے کہ پیادہ تو بے چارہ خیر ایک معمولی سا اہلکار ہوتا ہے یہاں تو وزیر کو بھی پتہ نہیں ہونے دیا جاتا کہ اسے کس طرح اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے ۔ سیاست اسی نوعیت کی عیاری کا نام ہے ۔

رباعی خانقاہ (43

رمز و ایما اس زمانے کے لیے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن

قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

معانی: قم باذن اللہ: خدا کے حکم سے اٹھو۔

مطلب: علامہ فرماتے ہیں کہ یہ عہد جس میں ہم سانس لے رہے ہیں اشاروں، کنایوں اور علامتی سطح پر بات کرنے کا عہد نہیں ۔ یہاں تو صاف اور کھری بات کرنے کی ضرورت ہے ۔ یوں بھی میں تصنع کا قائل نہیں ہوں چنانچہ کسی لگی لپٹی کے بغیر اپنے مطمع نظر کو واضح کر دیتا ہوں ۔ سو امر واقع یہ ہے کہ وہ لوگ جو قم باذن اللہ کہہ کر مردوں کو پھر سے زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اب ہمارے درمیان موجود نہیں رہے ۔ اب تو خانقاہوں میں ان لوگوں کی جگہ ایسے لوگ باقی رہ گئے ہیں جو یا تو مجاور ہیں یا پھر قبر کھودنے والے ۔ مراد یہ ہے کہ خانقاہیں کبھی ان درویشوں کی آماجگاہ ہوتی تھیں جن کے دل عشق الٰہی سے معمور ہوتے تھے ان میں قدرت نے یہ صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ قم باذن اللہ کہہ کر مردوں کو زندہ کر دیتے تھے جب کہ اب تو خانقاہوں میں مفادات کے بندے باقی رہ گئے ہیں جو پیسے کے لیے سب کچھ کرنے پر آمادہ رہتے ہیں ۔

رباعی لہو (44

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس

جسے ملا یہ متاع گراں بہا اس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نے غم افلاس

مطلب: انسانی جسم میں خون تندرستی اور جوش و جذبے کی علامت ہے ۔ ان اشعار میں اسی امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اگر جسم میں خون موجود ہے تو وہ انسان کو نہ صرف یہ کہ تروتازہ رکھتا ہے بلکہ خوف و ہراس بھی اس کے قریب نہیں بھٹکتا ۔ خون کی موجودگی کے سبب دل میں کوئی وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوتا ۔ اقبال کہتے ہیں کہ جس شخص کو خون جیسی گراں بہا شے میسر آگئی وہ ملک و دولت

کی بھی پروا نہیں کرتا بلکہ افلاس اور غربت سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے اور اپنی تندرستی کے علاوہ جرات و ہمت اور حوصلہ کی بنیاد پر ہر شے کے حصول پر قدرت رکھتا ہے ۔

رباعی (45

بلند بال تھا لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم سرِ محبت سے بے نصیب رہا

پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار
شکارِ زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا

مطلب: بلند بال: اونچا اڑنے والا ۔ جسور: جسارت والا ۔

مطلب: اقبال کے نزدیک فلسفی کی تعریف یہ ہے کہ بظاہر وہ ذہنی طور پر تو بلند ہوتا ہے لیکن اس میں جرات و ہمت نہیں ہوتی بلکہ دیکھا جائے تو غیرت کا بھی فقدان ہوتا ہے ۔ فلسفی کے کردار کا تجزیہ کرتے ہوئے علامہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ محبت کے جذبے سے نا آشنا ہوتا ہے اس لیے مذکورہ بالا صلاحیتوں سے محرومی فطری امر ہے ۔ اس کی مثال وہ شاہیں اور گدھ کے کردار کے حوالے سے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ پرندے تو دونوں ہی ہیں اور فضاؤں میں اڑنے کا شرف بھی دونوں کو ہی حاصل ہے لیکن فطری سطح پر دونوں کی خصوصیات متضاد ہیں ۔ شاہیں کو زندہ پرندوں کا خود شکار کرتا ہے اس لیے کہ اس میں جرات و ہمت موجود ہے ۔ وہ غیرت مند بھی ہے کہ نہ مردہ گوشت کھاتا ہے نہ کسی کا مارا ہوا شکار ۔ اس کے برعکس گدھ اگرچہ ہر ممکن بلندی تک اڑنے کی صلاحیت تو رکھتا ہے لیکن جرات و ہمت دونوں صلاحیتوں سے محروم رہتا ہے اسی باعث وہ زندہ شکار کی صلاحیت بھی

نہیں رکھتا بلکہ مردہ گوشت پر ہی اکتفا کرتا ہے ۔ علامہ اقبال کے نزدیک یہی کیفیت ایک فلسفی کی ہوتی ہے جو موخر الذکر پرندے سے منسوب کی گئی ہے ۔

قطعہ ہارون کی آخری نصیحت (46

ہارون نے کہا وقت رحیل اپنے پسر سے
جائے گا کبھی تو بھی اسی راہگذر سے

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلماں کی نظر سے

مطلب: یہ نصیحت ہارون الرشید نے اپنی وفات سے چند لمحے قبل اپنے بیٹے کے گوش گزار کی تھی ۔ جس میں اسے تلقین کی تھی کہ میری طرح سے تو بھی ایک اور فنا کے مرحلے سے گزرے گا ۔ لہذا یہ امر ذہن نشین کر لے کہ موت کا فرشتہ جب روح قبض کرنے آتا ہے تو بے شک وہ کافر کی نظروں سے تو معدوم رہتا ہے لیکن مسلمان کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا ۔ مراد یہ ہے کہ کافر چونکہ منکر خدا ہوتا ہے لہذا وہ موت کو بھی یاد نہیں رکھتا اس کے برعکس وہ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے لیکن مسلمان خدا کے ساتھ موت کو بھی ہر لمحے یاد رکھتا ہے اور قیامت پر بھی ایمان رکھتا ہے ۔

قطعہ ماہر نفسیات سے (47

جراَت ہے تو افکار کی دنیا سے گذر جا
ہیں بحر خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے

کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضرب کلیمی سے نہ چیرے

مطلب: ماہر نفسیات سے ہم کلام ہوتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ تو ہر لمحے جو انسانوں اور ان کے مسائل کے بارے میں جائزے لیتا رہتا ہے یہ سب اپنی جگہ درست سہی! پھر بھی تجھ میں اگر جرات و ہمت ہے تو محض اس خیالی دنیا تک محدود نہ رہ بلکہ اس سے آگے نکل کر یہ بھی دیکھ کر خودی تو ایک بحر بے کنار کی مانند ہے اور اس میں ابھی تک کئی ایسے گوشے موجود ہیں جو انسان کی نظروں سے پوشیدہ ہیں ۔ یاد رکھ کہ خودی ایک ایسا خاموش سمندر ہے جس کے بھیدوں کو اس وقت تک انسان نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ حضرت موسیٰ کی پیروی نہ کرے ۔ یعنی حکم خدا پر حضرت موسیٰ نے اپنی عصا کو پانی پر مارا جس سے انہیں پار اترنے کا راستہ مل گیا۔ مراد یہ ہے کہ محض اپنی سوچ اور تصورات ہی زندگی میں کامیابی و کامرانی کا ذریعہ نہیں بن سکتے بلکہ یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کسی معاملے میں حکم خداوندی اور رضائے الٰہی کی نوعیت کیا ہے ۔ خودی سے بہرہ ور ہونے کا یہی طریقہ ہے ۔

قطعہ یورپ (48

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار
جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زور پلنگ

خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

مطلب: ایک مدت سے یہودی سود خوار یورپ کو ہڑپ کرنے کی تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ عیار و مکار لوگ جن کے بالمقابل چیتے جیسی پھرتی اور شہ زوری بھی ناکارہ ہوکر رہ جاتی ہے ۔ یورپ کی حیثیت تو ایک پکے ہوئے پھل کی مانند ہے ۔ کون جانے وہ کس کی جھولی میں جا گرے ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ خیال اقبال نے جرمنی کے مشہور فلسفی اور دانشور نطشے سے لیا ہے جس نے پہلی بار اپنی ایک تحریر میں یہودی ساہوکاروں کی مکاری اور عیاری کو واشگاف انداز میں بیان کیا ۔

قطعہ (49

فطرت مری مانند نسیم سحری ہے
رفتار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز

پہناتا ہوں اطلس کی قبا لالہ و گل کو
کرتا ہوں خار کو سوزن کی طرح تیز

مطلب: جس طرح نسیم سحر کے رویے میں تیزی اور ٹھہراؤ دونوں پہلو موجود ہیں میری فطرت بھی اسی نوعیت کی ہے ۔ اقبال کہتے ہیں کہ اپنے کمال ہنر سے کبھی لالہ و گل کو اطلس کی قبا پہنا دیتا ہوں اور کبھی کانٹوں کے سروں کو سوئی کے ناکے کی طرح تیز کر دیتا ہوں ۔ مراد یہ کہ جدوجہد اور جوش عمل کے ذریعے میں چیزوں کے روپ بدلنے کی قدرت رکھتا ہوں ۔

قطعہ (50

کل اپنے مریدوں سے کہا پیر مغاں نے
قیمت میں یہ معنی ہے درناب سے دہ چند

زہراب ہے اس قوم کے حق میں مے افرنگ
جس قوم کے بچے نہیں خوددار و ہنرمند

مطلب: اپنے مریدوں کو نصیحت کرتے ہوئے پیر مغاں نے کہا سنو! میں تمہیں جو کچھ بتا رہا ہوں وہ راز جواہرات سے بھی دس گنا زیادہ قیمتی ہے ۔ اور وہ یہ کہ مغربی تہذیب اس قوم کے لیے زہر قاتل کی سی حیثیت رکھتی ہے جس قوم کے نوجوانوں میں خودداری کا فقدان ہو اور ہنرمند نہ ہوں ۔ مراد یہ ہے کہ مغربی تہذیب کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ ہمارے نوجوان جہاں خوددار ہوں وہاں جملہ ہنروں سے بھی آگاہی رکھتے ہوں ۔

دعا (مسجد قرطبہ میں لکھی گئی

ہے یہی میری نماز ، ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

معانی: قرطبہ: سپین کا ایک شہر۔

مطلب: اقبال جب 32ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو وہاں سے فراغت کے بعد انھوں نے ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا۔ تاریخی اعتبار سے ہسپانیہ جن دنوں مسلمان سلاطین کے زیر نگیں رہا تو اس کی عظمت انتہائی عروج پر پہنچ گئی تھی ۔ مسلمان سلاطین نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت قرار دیا تھا۔ یہ نظم علامہ نے قرطبہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر تخلیق کی ۔ یہ مسجد مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائی حکمرانوں نے گرجا میں تبدیل کر دی تھی ۔ اس المیے کے اثرات اقبال کی اس نظم میں جا بجا موجود ہیں ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عشق حقیقی جب اپنی انتہا پر پہنچتا ہے تو جگر کا لہو بھی آہ و فریاد میں ڈھل جاتا ہے ۔ یہی آہ و فریاد میری نماز اور وضو کا روپ دھار گئی ہے ۔

صحبتِ اہلِ صفا، نور و حضور و سرور
سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبجو

مطلب: اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ صاف و پاکیزہ محبت سے قلب انسان جلا پاتا ہے ۔ محبوب کی حضوری کے ساتھ کیف و سرور کی وہ صورت ملتی ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے نہر کے کنارے لالے کا پھول لہراتا رہتا ہے اور ندی کی لہریں اس کو ہمیشہ تازگی، سرخوشی اور سوز بخشتی رہتی ہیں ۔

راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
ساتھ مرے رہ گئی ، ایک مری آرزو

مطلب: محبت کی راہیں اس قدر سنگلاخ ہوتی ہیں کہ اس میں انتہائی قربت رکھنے والے عزیزواقربا بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں ۔ چنانچہ اقبال کے مطابق کہ محبت میں کوئی بھی کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا ۔ محض عشق کا جذبہ ہی آرزو میں ڈھل کر انسان کواس کی منزل تک پہنچانے کا اہل ہوتا ہے ۔

میرا نشیمن نہیں درگہ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو، شاخِ نشیمن بھی تو

مطلب: خدائے عزوجل سے مخاطب ہوکر اس شعر میں علامہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں امیروں اور وزیروں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ۔ میرے لیے تو تو ہی سب کچھ ہے ۔ منزل بھی تو اور راہ منزل بھی ۔

تجھ سے گریباں مرا مطلعِ صبحِ نشور
تجھ سے مرے سینے میں آتشِ اللہ ہو

معانی: مطلع: جہاں سے صبح پھوٹتی ہے ۔ نشور: دوبارہ زندہ ہو کے اٹھنے کی صبح ۔
مطلب: اے خدا تو نے میرے سینے میں عشق حقیقی کی جو آگ روشن کی ہے وہ قیامت کے روز بھڑکنے والی آگ سے کم نہیں ۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا دل اللہ ہو کی حرارت کی آماجگاہ بنا ہوا ہے ۔

تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
تو ہی مری آرزو ، تو ہی مری جستجو

مطلب: مولائے کائنات تیرے ہی دم سے میری زندگی سوز و درد اور داغ کے علاوہ روشنی کا مظہر بنی ہوئی ہے ۔ تو ہی ہے جو میرے عشق میں آرزو بن کر بسا ہوا ہے اور یہی جذبہ جستجو کا حامل بن جاتا ہے ۔

پاس اگر تو نہیں ، شہر ہے ویراں تمام
تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاخ و کو

معانی: کاخ و کو: گلی کوچے ۔
مطلب: اے آقا! یہ تیری یاد ہی ہے جس کے بغیر ہر سو ویرانی ہی ویرانی نظر آتی ہے اور جب مجھے تیری قربت کا احساس ہوتا ہے تو اجڑے ہوئے محلات اور سنسان گلی کوچے بھی آباد و درخشاں نظر آتے ہیں ۔ مراد یہ کہ قرب الہٰی سے انسان عظمت و بلندی سے ہم کنار ہوتا ہے ۔ اس کے برعکس عشق الہٰی اور اس کی معرفت نہ ہو تو پورا ماحول اجاڑ و سنسان بن کر رہ جاتا ہے ۔

پھر وہ شرابِ کہن مجھ کو عطا کر ، کہ میں
ڈھونڈ رہا ہوں اسے توڑ کے جام و سبو

معانی: شرابِ کہن: پرانی شراب یعنی اولین مسلمان کے جذبات اور ایمان ۔
مطلب: اے مالک میں نے جدید تہذیب کے تمام لوازمات سے قطع تعلق کر لیا ہے ۔ مجھے وہی جذبہ عشق سے نواز دے جو میرے اسلاف کا ورثہ ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر میں تو عشق الہٰی میں جذب ہو چکا ہوں ۔ اور محض تیری تلاش میں مصروف ہوں ۔

چشمِ کرم ساقیا، دیر سے ہیں منتظر

جلوتیوں کے سبو، خلوتیوں کے کدو

معانی: جلوتیوں کے سبو: ظاہر شراب پینے والے کا برتن مراد سب کے سامنے نماز روزہ اور عبادت کرنے والے ۔ خلوتیوں کے کدو: چھپ کے پینے والوں کے برتن ، چھپ کر عبادت کرنے والے بزرگ ۔

مطلب: اس شعر میں خدا سے دعا کی گئی ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سب تیری نظرکرم کے محتاج ہیں ۔

تیری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ

اپنے لیے لامکاں میرے لیے چار سو

مطلب: اس شعر میں علامہ کا لہجہ قدرے تبدیل ہوگیا ہے ۔ یہاں وہ مالک حقیقی سے گلہ مند نظر آتے ہیں کہ وہ خود تو لا مکاں ہے اور افلاک و کائنات پر اس کی اجارہ داری ہے جب کہ انسان کو اپنا نائب بنا کر بھیجنے کے باوجود زمین کے ایک مختصر علاقے تک محدود کر دیا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ خدا کے لامحدود اختیارات کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں جب کہ انسان تو محض بے اختیار ہے ۔

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا

حرفِ تمنا، جسے کہہ نہ سکیں رُوبرو

مطلب: فلسفہ اور شعر کی تعریف مختصراً اتنی ہی ہے کہ ان کی وساطت سے اپنی دل تمنا کا اظہار کھل کر نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہاں بھی علامتوں کا سہارا لیا جاتا ہے ۔

مسجد قرطبہ

سلسلۂ روز و شب نقش گرِ حادثات
سلسلۂ روز و شب، اصلِ حیات و ممات

مطلب: علامہ اقبال کی شاعری کے بیشتر حصے میں مسلم عہد کے سپین کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ وہ اس عہد میں مسلمانوں کے عروج وزوال سے بری طرح متاثر نظر آتے ہیں ۔ وہ 1934ء میں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے یورپ گئے تو بعد میں ہسپانیہ کا دورہ بھی کیا اور اموی عہد کے آثار قدیم بھی دیکھے ۔
اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ روز و شب کی داستان عہد کے حوالے سے یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ اس میں فنا و بقا کے بنیادی سلسلے کے حوالے سے ہی صورت حال کی تفہیم ممکن ہے ۔ یعنی دن اور رات کے عرصے میں کتنے ہی بچے جنم لیتے ہیں اور کتنے ہی لوگ وفات پا جاتے ہیں ۔ یہی عمل قدرت کے نظام کا حقیقی روپ ہے چنانچہ اس پس منظر میں دیکھا جائے تو ہمارے روز و شب یعنی زمانہ ہی زندگی اور موت کا حقیقی سرچشمہ ہے ۔

سلسلۂ روز و شب ، تارِ حریر دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

معانی: تارِ حریر دورنگ: دو رنگ کی ریشمی تار یعنی دن رات ۔
مطلب: رات اور دن کی شناخت ریشم کے دو متضاد رنگوں میں علامتوں سے ممکن ہے ۔ ریشم کے ان متضاد رنگ کے تاروں میں سیاہ رنگ رات کا مظہر ہے جب کہ سفید رنگ دن کو نمایاں کرتا ہے ۔ اس کو ذات خداوندی اور اس کی صفات سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود تو نظر نہیں آتا لیکن بعض اشیا میں اس کے پرتو کی جھلک ملتی ہے ۔ ان اشیاء میں ذات باری کی صفات جزوی طور پر نمایاں ہوتی ہیں ۔ یہ تصورات اور علامتیں زمانے کے وجود سے ہی پیدا ہوئی ہیں ۔

سلسلۂ روز و شب ، سازِ ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بمِ ممکنات

معانی: سلسلۂ روز و شب: دن رات کی آمدورفت ۔ ازل کی فغاں: زمانۂ اولین کی آواز ۔ زیر و بم ممکنات: اوپر نیچے ہونا، امکانِ واقعات ۔

مطلب: کائنات کے آغاز کے ساتھ ہی زمانے کی تخلیق ممکن ہوئی ہے جس سے باری تعالیٰ کا مقصد انسان کو اس اتارچڑھاوَ سے آگاہ کرنا تھا جو اس راہ میں موجود ہوتے ہیں ۔ اس شعر میں بھی علامہ نے زمانے کو ساز ازل کی فغاں سے تعبیر کیا ہے کہ ساز کی طرح زمانے میں بھی اتارچڑھاوَ کا عمل جاری رہتا ہے جس کے ذریعہ قدرت متوقع امکانات کی نشاندہی کرتی ہے ۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ انسان ان حوالوں کی روشنی میں حقیقت کو پا سکے ۔

تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلۂ روز و شب ، صیرفیِ کائنات

معانی: پرکھتا ہے: امتحان لیتا ہے ۔ صیرفی: صراف سونا پرکھنے والا ۔
مطلب: زمانہ ہر شے کا احتساب ہی نہیں کرتا بلکہ ایک ایسی کسوٹی کے مانند ہے جو نیک و بد کی تمیز پیدا کرتی ہے اور کھرے کھوٹے کو الگ کر دیتی ہے ۔ یہ احتسابی عمل اور کسوٹی ایسی حقیقتیں ہیں جو خواہ سب ہوں یا اور کوئی سب کے لیے ہیں اور کوئی اس سے ماورا نہیں ہے ۔

تو ہو اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات، موت ہے میری برات

معانی: عیار: کھوٹا ۔ برات: قسمت ۔

مطلب: کمزور اور بے حقیقت انسان کو خواہ وہ کوئی بھی ہو زمانہ مٹا کر رکھ دیتا ہے اس کا مقدر موت کے سوا اور کچھ نہیں ۔ مراد یہ ہے کہ وقت و استحکام زندگی کی دلیل ہیں جب کہ انتشار اور کمزوری موت کی علامتیں ہیں ۔

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو، جس میں نہ دن ہے نہ رات

مطلب: اس سارے پس منظر اور صورت حال کے باوجود شب و روز کی حقیقت زمانے کی ایک رو کے سوا اور کچھ نہیں اور یہ ایسی رو ہے جس میں دن اور رات کا تصور باقی نہیں رہتا ۔ اس صورت میں دن اور رات کے مابین تمیز بالکل بے حقیقت شے ہے ۔

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر
کارِجہاں بے ثبات! کارِجہاں بے ثبات

معانی: آنی: عارضی، مختصر ۔ فانی: مر جانے والا ۔ بے ثبات: ناپائیدار ۔

مطلب: ہر چند کہ اس دنیا میں انسان کی ہنرمندی بے پناہ ترقی کی حامل ہے لیکن یہ ترقی عارضی ہے اور اس میں کوئی شے پائیدار نہیں ہے اور حتمی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس جہان کو ثبات نہیں ۔

اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقشِ کہن ہو کہ نو، منزلِ آخر فنا

مطلب: ان تمام اشعار کے پس منظر میں اقبال یہ کہتے ہیں کہ اس جہان کا اول و آخر غرض ہر شے کا مقصد فنا کے علاوہ اور کچھ نہیں ۔ یہ شعر عملاً قرآن پاک کی اس آیت کی تعبیر ہے کہ ہر ذی روح نے موت کا مزا ضرور چکھنا ہے یعنی کہ موت ہر شے کا مقدر ہے ۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ آغاز ہو یا انجام ظاہر ہو یا باطن! کوئی تخلیق نئی ہو یا پرانی! بالاخر اس کی منزل فنا کے سوا اور کچھ نہیں ۔

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام

جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

مطلب: اس دوسرے بند میں اقبال زندگی اور موت کے مسئلے کو ایک اور زاویے سے دیکھتے ہیں کہ اس حقیقت کے باوجود کہ ہر شے فنا ہونے والی ہے تاہم اگر ایک مردِ حق پرست نے کسی نقش کی تکمیل کی ہو تو اس میں پائیداری اور استحکام کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ مردِ حق پرست کا ہر عمل رضائے الٰہی کے مطابق ہوتا ہے ۔

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ

عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام

معانی: صاحبِ فروغ: ترقی پانے والا ۔

مطلب: اور جو مردِ حق پرست ہوتا ہے اس کا ہر عمل رضائے الٰہی اور عشق حقیقی کے دم سے ہی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے ۔ اس لیے کہ عشق حقیقی تو زندگی کا وہ جوہر ہے جو موت کی دسترس سے باہر ہوتا ہے ۔ موت اس پر حرام ہوتی ہے اور یہ جذبہ عملاً زندگی کی حقیقت اور روح ہے ۔

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام

معانی: تند و سبک سیر: تیز چلنے والی ۔ سیل: طوفانی سیلاب ۔
مطلب: ہرچند کی زمانے کی رو انتہائی تند و تیز ہے جس کے سامنے کوئی شے ٹھہر نہیں سکتی لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ عشق تو خود ایک تند و تیز سیلاب کے مانند ہوتا ہے جو ہر زمانے کے مقابل سیلاب کو روکنے کی صلاحیت کا حامل ہے یعنی عشق کا جذبہ ہر حال میں بالادست رہتا ہے ۔

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

معانی: تقویم: جنتری ۔ عصرِ دوراں: زمانہ حاضر۔
مطلب: عشق کا جذبہ اپنے دامن میں اتنی وسعت رکھتا ہے جو زمانی سطح پر عصر موجود ہی نہیں ایسے زمانوں پر بھی محیط ہے جن کو بادی النظر میں کوئی نام نہیں دیا جا سکتا اور یہ زمانے رات اور دن تک محدود نہیں ۔

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفی
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

معانی: دم: سانس ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال اپنے مخصوص انداز میں عشق حقیقی کو مختلف زاویوں اور کرداروں کے حوالے سے دیکھتے ہوئے اس کی ہمہ گیر جہتوں کو حضرت جبرئیل امیں ، حضور سرور کائنات ﷺ کے علاوہ پیغمبروں اور کتاب خدا کے حوالوں سے دیکھتے ہیں ۔ ان کے نزدیک عشق حقیقی محض ایک پاکیزہ جذبہ ہی نہیں بلکہ اس کی کسی فرشتے تک رسائی ہو تو جبرئیل امیں کی سانس اور آواز بن جاتا

ہے ۔ پیغمبر تک پہنچ ہو تو حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دل کی دھڑکن بن جاتا ہے ۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی اس کا انتہائے عروج یہ ہے کہ کبھی خدا کا رسول اور کبھی اس کے کلام کا مظہر بن جاتا ہے ۔

عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام

معانی: صہبائے خام: کچی شراب جو زیادہ مزہ دیتی ہے ۔ کاس الکرام: نعمتوں کا پیالہ ۔
مطلب: عشق حقیقی کی توصیف میں اقبال اس سطح تک آ جاتے ہیں کہ ایک پھول یا پھول سے نازک بدن میں جو تازگی ، شگفتگی اور رخشندگی ہے وہ بھی اسی جذبے کا ایک پرتو ہے ۔ اس کے علاوہ عشق حقیقی تو خالص شراب کی مانند ہے جس کی مستی اور نشہ انتہائی تند و تیز ہوتا ہے ۔ مزید یہ کہ عشق اہل کرم کا عطا کردہ ایسا کاسہ ہے جس سے ہر ضرورت مند فیض یاب ہو سکتا ہے ۔

عشق فقیہِ حرم ، عشق امیرِ جنود
عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام

معانی: ابن السبیل: مسافر ۔
مطلب: عشق تو حرم کعبہ کا وہ جید اور پاکباز عالم ہے جو انتہائی خلوص اور دیانتداری کے ساتھ ضرورت مندوں کو فقہ اور شریعت کے نکتے سمجھاتا ہے اور میدان حرب میں جہاد کرنے والے عساکر کے لیے سپہ سالاری کے فراءض انجام دیتا ہے ۔ غرض حقیقت یہ ہے کہ حقیقی عشق کے ظہور کی لاتعداد شکلیں ہیں ۔ وہ تو ایسا مسافر ہے جس کے ایسے ہزاروں مقام ہیں جن کا شمار ممکنات سے نہیں ۔

عشق کے مضراب سے نغمہَ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

معانی: مضراب: ساز بجانے کا آلہ ۔
مطلب: اگر زندگی کو ایک ساز تصور کر لیا جائے تو عشق حقیقی کا جذبہ اس ساز کے لیے ایک مضراب کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر ساز کا وجود ایک ناکارہ شے ہے ۔ اسی طرح اگر یہ جذبہ زندگی کو منور کرتا ہے تو اس میں جوش و خروش بھی پیدا کرتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ عشق حقیقی عملاً حیات انسانی کو عملی جدوجہد کے لیے مہمیز کا کام دیتا ہے اور اسی کے سبب زندگی میں جلالی و جمالی شان پیدا ہوتی ہے ۔

اے حرمِ قرطبہ ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

معانی: رفت و بود: ختم ہونے والا ۔
مطلب: اس بند میں اقبال اپنے موضوع کی جانب آتے ہوئے مسجد قرطبہ کو مخاطب کرتے ہیں تاہم یہ ضرور ہے کہ یہاں بھی انھوں نے سابقہ دونوں بند کے مندرجات اور نقطہ نظر سے بڑی کامیابی سے تسلسل قائم رکھا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ اے مسجد قرطبہ ! یہ عشق حقیقی کا جذبہ ہی تھا جس کے سبب تیری تعمیر ممکن ہوئی اور عشق تو وہ جذبہ ہے جو ہمیشہ قائم و دائم رہتا ہے ۔ فنا اس کی تقدیر میں نہیں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں کے نامساعد حالات اور آفات کے باوجود تیرا وجود ابھی تک برقرار ہے ۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود

معانی: چنگ: باجا ۔ صوت: آواز ۔
مطلب: اے مسجد قرطبہ ! تیرے وجود میں مصوری فن تعمیر اور اسی نوعیت کے فنون اور ہنر جس مہارت اور چابکدستی سے ہم آہنگ ہوئے ہیں وہ اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ جب تک تخلیق کے لیے خون جگر صرف نہ کیا جائے کوئی فن معجزے کی شکل اختیار نہیں کرتا ۔

قطرۂ خونِ جگر، سِل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود

معانی: سوز: تپش ۔ سرور و سرود: خوشی یا نشہ ۔
مطلب: اور وہ معجزہ خون جگر صرف کرنے سے ہی نمودار ہوتا ہے کہ حقیقی فنکار پتھر کو بھی تراشے تو اس میں جان ڈال دیتا ہے اور یہی کیفیت اس کے قول و الفاظ میں ہوتی ہے ۔ اس کا اندازہ اے مسجد قرطبہ! تیری تعمیر کو دیکھ کر ہوتا ہے ۔

تیری فضا دل فروز ، میری نوا سینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دلوں کی کشود

معانی: دل افروز: دل کو روشن کرنے والی ۔ سینہ سوز: سینہ جلانے والی ۔ حضور: سامنے رہنا، حاضر ہونا ۔ کشود: پھیلنا ۔
مطلب: اے مسجد قرطبہ! تیرا ماحول پرکشش اور دل میں عبادت حق تعالیٰ کی تڑپ پیدا کرنے والا ہے جب کہ میرے اشعار سے سینوں میں حرارت پیدا ہوتی ہے ۔ تیری زیارت دیکھنے والوں کو قربت الہٰی کا احساس دلاتی ہے جب کہ میرا کلام لطافت اور بیداری کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔

عرشِ معلّٰی سے کم سینۂ آدم نہیں
گرچہ کفِ خاک کی حد ہے سپہرِ کبود

معانی: سپہرِ کبود: نیلا آسمان ۔
مطلب: ایسے فنکارانہ معجزے دیکھنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسان کا سینہ عرش معلی سے کم نہیں ہے ۔ اس کے باوجود کہ وہ اپنے جسم خاکی کی بدولت آسمان تو کیا خلا کو بھی چھونے کی صلاحیت نہیں رکھتا پھر بھی اسے فرشتوں سے برتر قرار دیا گیا ہے ۔

پیکرِ نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا
اس کو میسر نہیں سوز و گدازِ سجود

معانی: پیکرِ نوری: فرشتے ۔ سوز: گرمی ۔ گدازِ سجود: سجدہ کی لذت ۔
مطلب: بے شک فرشتوں کی تخلیق حق تعالیٰ نے نور سے کی ہے اور انہیں یہ بھی شرف حاصل ہے کہ وہ ہر لمحے معبود حقیقی کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں تاہم انسان کا مرتبہ فرشتوں اور قدسیوں سے اس لیے زیادہ بلند ہے کہ اس کا دل سوز و گداز اور عشق حقیقی کے جذبے سے مالا مال ہوتا ہے ۔

کافرِ ہندی ہوں میں ، دیکھ مرا ذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود

مطلب: ہرچند کہ مجھے ہند کا رہنے والا کافر تصور کیا جاتا ہے لیکن اے مسجد قرطبہ تو نے میرے ذوق و شوق کا نظارہ یقیناً کر لیا ہو گا کہ دل سے بھی صلوٰۃ و درود کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور میرے لبوں پر بھی صلوٰۃ و درود کا نغمہ ہے ۔

شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
نغمۂ اللہ ہو، میرے رگ و پے میں ہے

معانی: نے: بانسری وغیرہ ۔
مطلب: یہ جو شوق جو عشق حقیقی سے عبارت ہے اس امر کا گواہ ہے کہ میرا لب و لہجہ بھی اسی جذبے سے لبریز ہے اور میرے نغموں میں بھی اس کا لحن شامل ہے ۔ غرض کہ میرے جسم کا ریشہ ریشہ اللہ ہو کے نعروں سے سرشار ہے ۔

تیرا جلال و جمال ، مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل، تو بھی جلیل و جمیل

معانی: دلیل: ثبوت ۔ جلیل و جمیل: دبدبے والا، خوبصورت ۔

مطلب: اس بند کے اشعار میں انھوں نے براہ راست مسجد قرطبہ سے مخاطب ہوکر کہا ہے کہ تجھ میں بھی وہی جمال و جلال موجود ہے جو معبود حقیقی کے نزدیک ایک پسندیدہ، نڈر، بے باک اور سالک شخص میں پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ جس طرح وہ شان و شوکت والا اور صاحب حسن و جمال ہوتا ہے تیرے پیکر میں بھی یہی خصوصیات موجود ہیں ۔

تیری بنا پائیدار ، تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ نخیل

معانی: بنا پائدار: مضبوط بنیاد ۔ نخیل: کھجور کا درخت ۔

مطلب: اے مسجد قرطبہ! تیری بنیادیں مستحکم ہیں اور تیرے ستونوں کا بھی کوئی شمار نہیں ۔ یہ ستون اس طرح سے ایستادہ ہیں جیسے کہ صحرائے شام میں کھجوروں کے درخت کھڑے ہوں ۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود وہ اسی طرح قائم و دائم ہے ۔ یہ ان ماہرین تعمیرات کا کمال ہے جنھوں نے تیری نادر روزگار عمارت کی تکمیل میں اپنی تمام تر فنی صلاحیتوں اور مہارت سے کام لیا ۔

تیرے در و بام پر وادیِ ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند جلوہ گہِ جبرئیل

معانی: وادی ایمن: دامن کوہ جہاں موسیٰ نے اللہ کا جلوہ دیکھا ۔

مطلب: یوں لگتا ہے کہ تیرے دروازوں اور چھتوں پر وادی سینا میں جو نور چمکا تھا یہاں بھی وہ اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اور تیرا وہ بلند و بالا مینار جو اذان کے لیے وقف تھا اس پر حضرت جبرئیل سایہ فگن ہیں ۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں، کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیم و خلیل

معانی: کلیم: موسیٰ علیہ السلام ۔ خلیل: ابراہیم علیہ السلام ۔
مطلب: اقبال اس شعر میں ایک نئے جذبے اور جوش کے ساتھ اعلان کرتے ہیں ۔ ملت اسلامیہ کتنے ہی مراحل سے گزرے اسے کوئی طوفان فنا نہیں کر سکتا اس لیے کہ اس کے جاں نثاروں نے تو اپنی اذانوں کے ذریعے ان رازوں کو بے نقاب کر دیا تھا جن کا تعلق حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت ابراہیم کی خلیل اللہ جیسے جلیل القدر پیغمبروں سے تھا ۔ مراد یہ ہے کہ مسلمانوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کی تعلیمات کو سمجھا اور اسے عالمی سطح پر وسعت دینے میں بے حد نمایاں انجام دیئے ۔

اس کے زمیں بے حدود، اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج ، دجلہ و دنیوب و نیل

معانی: بے حدود: حد کے بغیر ۔ افق بے ثغور: آسمان کا کنارہ، بے حساب وسعت ۔ موج: لہر ۔ دجلہ و دنیوب و نیل: تین دریاؤں کے نام ۔
مطلب: مسلمانوں میں اپنے عہد اقتدار میں اپنی زیر نگیں سلطنت کو جو وسعت دی اس کی حدود کا تعین مشکل ہے ۔ حتیٰ کہ اس کا افق بھی اس نوع کی حد بندیوں سے آزاد ہے اور دجلہ ڈینوب اور نیل جیسے دریا تو اس کے سمندر کی لہریں ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے وطن کی کوئی حدود نہیں بلکہ دیکھا جائے تو زمین کا ہر گوشہ ہر خطہ اس کا وطن ہے ۔

اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل

معانی: عہدِ کہن: پرانا زمانہ ۔ پیامِ رحیل: چلنے کا پیغام ۔
مطلب: ماضی میں بھی یہ ملت اسلامیہ کے جیالے ہی تھے جنھوں نے نامساعد حالات کے پیش نظر عہد کو کوچ کرنے کا عملی پیغام دیا ۔ اس عہد کے حوالے سے مسلمانوں کی عظمت و کارکردگی کے فسانے زبان زد خلق ہیں ۔

ساقیِ اربابِ ذوق ، فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل

معانی: بادہ: شراب ۔ رحیق: خالص ۔ تیغ: تلوار ۔ اصیل: اصل لوہے کی ۔
مطلب: مسلمانوں نے ہمیشہ اہل ذوق کی رہنمائی کی اور بڑے خلوص و محبت کے ساتھ انہیں منزل آشنا کیا ۔ ان کے قول و فعل میں کسی قسم کے تضاد کی گنجائش نہ تھی بلکہ تلوار کی مانند ان کے لہجے میں بھی کاٹ تھی ۔

مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زرہ لا الہ
سایہَ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہ

معانی: زرہ: لوہے کا لباس ۔ پنہ: حفاظت ۔
مطلب: اپنے عزم و عمل کے سبب مسلماں ایسے جاں نثار مرد میدان ہیں جن کا جنگی سازوسامان بھی کلمہ توحید سے عبارت ہے اور جب دشمنوں کے لشکر ان کے مقابل تلوار اٹھاتے ہیں تو یہی کلمہ توحید ان کی سپر بن جاتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ سچا مسلمان خواہ امن ہو یا حالت جنگ وہ کلمہ توحید کو ہی اپنا کل ایمان تصور کرتے ہیں ۔

تجھ سے ہوا آشکار بندہَ مومن کا راز
اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز

مطلب: اے مسجد قرطبہ! تیری نادر روزگار تعمیر اور اس کی ہیبت و عظمت ان خاصانِ خدا کی صلاحیتوں اور جذبہ ایمانی کا اظہار بھی ہوتا جو تیری تعمیر و تکمیل کا سبب بنے ۔ اس منصوبے میں ان کی شب و روز کی محنت شاقہ اور اس لگن کے عمل کا دخل موجود ہے ۔

اس کا مقامِ بلند ، اس کا خیالِ عظیم
اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز، اس کا ناز

معانی: نیاز: عاجزی ۔ ناز: فخر ۔
مطلب: تیری عظمت سے انہی صاحب ایمان و یقین کے بلند مراتب کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ ان کے خیالات کتنے بلند تھے ۔ مزید یہ کہ تیرے وجود سے اس امر کا پتہ بھی چلتا ہے کہ متعلقہ افراد میں ذوق و شوق کی پاکیزگی اور لطافت کا معیار کیا تھا ۔ وہ تیرے وسیع صحن میں سجدہ نیاز کے متمنی بھی تھے اور اس نیازمندی میں نیاز کی شان بھی موجود تھی ۔

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں ، کارکشا، کارساز

معانی: کارآفریں : کام کرنے والا وسیع کرنے والا ۔ کارکشا، کارساز: بگڑے کام بنانے والا ۔
مطلب: اے مسجد قرطبہ! یہی وہ صاحب ایمان و یقین لوگ تھے جو رضائے خدا کے بغیر اپنی مرضی سے کوئی کام نہ کرتے تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس عمل کے عوض کہ ان کی مرضی بھی رضائے خدا میں ڈھل جاتی ہے ان کا کوئی عمل ذاتی اغراض سے وابستہ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ خدائے عزوجل نے ان میں وہ صلاحتیں پیدا کر دی ہیں جن کے سبب وہ اپنے حریفوں پر غالب ہو جاتے ہیں ۔ حاجت مندوں کی مشکلات کو رفع کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی حسن عمل کی راہ دکھاتے ہیں ۔ بے شک ایسے ہی لوگ تھے جن کے ذہنوں میں تیری تعمیر کا جذبہ پیدا ہوا اور انتہائی جدوجہد اور اپنی قوت عمل سے انھوں نے اس جذبے کو عملی جامہ پہنایا ۔

خاکی و نوری نہاد ، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز

معانی: نوری نہاد: فرشتوں کی عادتوں والا ۔ بندۂ مولا صفات: اللہ جیسی صفات کا مالک ۔
مطلب: مذکورہ قسم کے لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ ان کی تخلیق ہر چند کہ مٹی سے ہوئی ہے لیکن ان میں فرشتوں کے اوصاف در آئے ہیں اور ان کے دل نور خدا سے تابندہ رہتے ہیں ۔ ان کے اندر اپنے آقا و مولا کی سی صفات پیدا ہو جاتی ہیں جن کے سبب ان کے دل دونوں جہانوں کی نعمتوں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ذات باری تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا اور کسی کے بارے میں نہیں سوچتے ۔

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

معانی: قلیل: تھوڑی ۔ جلیل: بلند ۔
مطلب: ایسے صاحب ایمان لوگوں کے دلوں میں دنیاوی خواہشات کے لیے کم سے کم گنجائش ہوتی ہے جب کہ ان کے مقاصد بہت بلند ہوتے ہیں ۔ وہ اپنی ذات کے بجائے دوسروں کی بہتری کے لیے عملی اقدام کرتے ہیں ۔ دوسروں کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ انتہائی محبت والا اور نرم ہوتا ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے ہرن کی خوبصورت اور روایتی طور پر دلفریب آنکھوں میں ایک دل نواز چمک ہوتی ہے اسی طرح ان کی نگاہوں میں بھی یہی کیفیت محسوس کی جا سکتی ہے ۔

نرم دمِ گفتگو ، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

معانی: نرم دم گفتگو: باتیں کرتے وقت نرم لہجہ ۔ گرم دم جستجو: تلاش و جستجو میں سرگرم ۔
مطلب: یہ صاحب ایمان ویقین جب کسی سے مکالمہ کرتے ہیں تو ان کا لہجہ انتہائی نرم اور شفقت و محبت کا مظہر ہوتا ہے جب کہ تلاش حق میں انتہائی طور پر سرگرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔ یہی نہیں کوئی میدان جنگ ہو یا نجی محفل ہر دو مقامات پر وہ پاک دلی اور پاک طینتی سے کام لیتے ہیں ۔

نقطہ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

معانی: نقطہَ پرکار حق: خدا کی پرکار کا مرکز ۔ وہم: شک ۔ طلسم: جادو ۔ مجاز: بے حقیقت ۔
مطلب: اقبال کے نزدیک اہل ایمان کے نزدیک خدائے برتر کا وجود ہی مرکزی حیثیت کا حامل ہوتا ہے یعنی ذات باری کا عرفان ہی سب کچھ ہے اس کے برعکس یہ جو عالم رنگ وبو ہے وہ وہم، سحر اور ناپائیداری کا مظہر ہے ۔ مراد یہ ہے کہ صاحب ایمان لوگوں کا خدا کی ذات پر یقین ہی پائیداری کی علامت ہے ۔

عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقہَ آفاق میں گرمیِ محفل ہے وہ

معانی: حلقہَ آفاق: آسمان کے حلقے میں ۔ گرمیِ محفل: محفل کی رونق ۔
مطلب: اس ضمن میں آخری بات تو یہ ہے کہ یہی صاحب ایمان لوگ فی الواقع عقل سلیم کا سرچشمہ ہیں اور عشق حقیقی کا حامل بھی انہی کا جذبہ ہے ۔ چنانچہ کائنات میں جو رونق اور چہل پہل نظر آتی ہے فی الواقع انہی کے دم سے ہے ۔

کعبہَ اربابِ فن ! سطوتِ دینِ مبین
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں

معانی: کعبۂ اربابِ فن: اہل فن کا مرکز۔ سطوتِ دینِ مبین: دین اسلام کی شوکت ۔ حرم مرتبت: حرم کا مقام، حرم کا مرتبہ رکھنے والا ۔ اندلسیوں کی زمیں : اندلس والوں کی زمیں ۔

مطلب: اے مسجد قرطبہ! تیری سطوت و شان کے پیش نظر یہ کہنا مبالغہ آمیز نہ ہو گا کہ ماہرین فن کے نزدیک تیری حیثیت حرم کعبہ سے کم نہیں ۔ تو ہی ہے جس سے ملت اسلامیہ کی شان و شوکت میں اضافہ ہوا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ اندلس کی سرزمین کو بھی تیرے سبب دوسروں کے لیے انتہائی عزت و احترام کی حقدار بن گئی ۔

ہے تہِ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر
قلبِ مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں

معانی: نظیر: مثال ۔ تہِ گردوں : دنیا میں ۔

مطلب: اس آسمان کے تلے، زمیں پر تیری خوبصورت اور باکمال تعمیر کی دوسری مثال تلاش کی جائے تو اس کا ملنا خارج از امکانات ہے ۔ ہاں اگر کہیں اس کا وجود ممکن ہے تو وہ تیرے معمار مسلمانوں کے دلوں میں ہی ہو سکتا ہے کہ یہی لوگ تیری عظمت و احترام کا ادراک رکھتے ہیں ۔

آہ وہ مردانِ حق ! وہ عربی شہسوار
حاملِ خلقِ عظیم، صاحبِ صدق و یقیں

معانی: صدق و یقیں : اعلیٰ اخلاق والے اور صدق و یقین رکھنے والے ۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ وہ عربی شہسوار اور مردانِ حق جو اپنے جملہ کارناموں کی بدولت ہسپانیہ میں اپنے عہد کو مثالی بنا گئے ۔ انتہائی خلیق ہونے کے ساتھ پاکیزگی اور سچائی پر یقین رکھتے تھے ۔ اور اپنی راستبازی کے طفیل اعلیٰ مراتب حاصل کر سکے ۔

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہلِ دل فقر ہے ، شاہی نہیں

معانی: فاش: کھلنا ۔ رمزِ غریب: عجیب راز ۔ سلطنت: بادشاہت ۔
مطلب: یہی وہ مردان حق تھے جن کی حکومت کے ادوار میں یہ راز کھلا کہ اہل دل کی سلطنت تو فی الواقع بادشاہی نہیں بلکہ فقر اور درویشی ہے ۔ یہی پیغام حضور سرور دو عالم نے دنیا کو دیا تھا ۔

جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں

معانی: خرد: عقل ۔ راہ بیں : راستہ دیکھنے والی ۔
مطلب: یہی لوگ تھے جنھوں نے اپنے بلند کردار اور سیرت کے پس منظر میں مشرق و مغرب میں مقیم باشندوں کی تربیت کی یہی نہیں بلکہ اپنی دانش سے انھوں نے یورپ کو جہل و تعصب کی تاریکیوں سے نجات دلائی اور ہر طرح ان کی رہنمائی کی ۔

جن کے لہو کی طفیل آج بھی ہیں اُندلسی
خوش دل وگرم اختلاط ، سادہ و روشن جبیں

معانی: گرم اختلاط: جوش سے ملنے والے ۔
مطلب: اندلس میں عربی خون کی آمیزش سے آج بھی حسن و جمال عام ہے اور آج بھی محبت کے راگ الاپے جاتے ہیں ۔

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

معانی: چشمِ غزال: ہرن کی آنکھ، خوبصورتی کا مظہر۔
مطلب: یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے اندلس کو اپنے علم و اخلاق سے آراستہ کیا اور آج بھی وہاں کے لوگ یہ سبق نہیں بھولے ۔

بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

مطلب: جو عرب ابتداء میں اندلس میں آکر آباد ہوئے ان میں سے اکثریت کا تعلق یمن سے تھا چنانچہ یمن کی تہذیب و ثقافت اور معاشرت کے اثرات نے اندلس کے مقامی باشندوں کو پوری طرح متاثر کیا ۔

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

مطلب: ہرچند کہ اے مسجد قرطبہ ستارے بھی تیری سرزمین کو آسمان سے کم تر نہیں سمجھتے یعنی تیرا معانی: دیدۂ انجم: ستاروں کی نظر۔ رتبہ بے شک بہت بلند ہے اس کے باوجود اس سے بڑا المیہ یہاں اور کیا ہو سکتا ہے کہ صدیوں سے کسی نے تیرے بلند و بالا مینار سے اذان کی آواز نہیں سنی ۔

کون سی وادی میں ہے، کون سی منزل میں ہے
عشقِ بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں

معانی: عشقِ بلا خیز کا قافلہ: پرجوش محبت کا قافلہ ۔
مطلب: اب تو مردان حق پرست اور جاں نثاروں کے اس قافلے کا انتظار ہے کہ یہاں پہنچ کر اے مسجد! تیرے وسیع صحن میں سجدہ ریز ہونے سے قبل اللہ اکبر کا آوازہ بلند کرے ۔

دیکھ چکا المنی ، شورشِ اصلاحِ دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کہن کے نشاں

معانی: المنی: جرمن ۔ شورشِ اصلاح دیں : اصلاحِ مذہب کی تحریک ۔
مطلب: پچھلی چند صدیوں میں مختلف یورپی ممالک میں مذہب اور معاشرے کے حوالے سے کئی تحریکیں اٹھیں ۔ اقبال نے اس بند کے اس شعراور باقی اشعار میں ان تحریکوں کے حوالے سے اپنی فکر کا اظہار کیا ہے ۔ اس شعر میں انھوں نے جرمنی میں مارٹن لوتھر کی مشہور تحریک اصلاح دین کا ذکر کیا ہے جس کے باعث عیسائیت دو دھڑوں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں بٹ گئی ۔ کیتھولک پوپ کے ماننے والے تھے جب کہ پروٹسٹنٹ مارٹن لوتھر کے پیرو قرار دیئے گئے ۔ لوتھر نے یہ دعویٰ کیا کہ نہ پوپ معصوم ہے نا ہی وہ کسی کے گناہ بخشنے کی صلاحیت کا حامل ہے ۔ اصلاح دین کی تحریک نے یورپ میں عیسائیت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں ۔

حرفِ غلط بن گئی عصمتِ پیرِ کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتیِ نازک رواں

معانی: کنشت: گرجا ۔
مطلب: پوپ کی جس معصومیت کا ایک عرصے سے ڈھنڈورا پیٹا جا رہا تھا وہ حرف غلط ثابت ہو کر رہ گئی ۔ مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاح دین نے اسے کافی نقصان پہنچایا اور عیسائیت کا بنیادی تصور بھی متزلزل ہو کر رہ گیا ۔ آزادی فکر کا ردعمل بھی یورپ کو کوئی مثبت تہذیبی ڈھانچہ فراہم نہ کر سکا ۔

چشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں

معانی: چشمِ فرانسیں: فرانس میں انقلاب آیا اور بادشاہت کی جگہ جمہوریت کی طرف آئے ۔
مطلب: اس کے ساتھ ہی فرانس میں جو انقلاب آیا اس نے تو مغربی تہذیب اور مغربی معاشرے کے ضمن میں رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ۔ اس انقلاب کے اثرات بھی عیسائیت کے خلاف مرتب ہوئے ۔

ملتِ رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں

معانی: رومی: رومن (اٹلی) والے بھی پرانی شاہی سے جمہوریت کی طرف آئے ۔
مطلب: لیکن اتنا ضرور ہوا کہ اطالوی تہذیب اور معاشرہ جو رجعیت پسندی اور قدامت کے آخری مرحلے پر تھے وہ ان تبدیلیوں سے ضرور متاثر ہوئے اور ان کو نئی جہتوں سے آشنا کیا ۔

روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب
رازِ خدائی ہے یہ، کہہ نہیں سکتی زباں

مطلب: اور تو اور مسلم معاشرے میں بھی تبدیلی اور ارتقاء کی خواہشوں نے بڑی تیزی کے ساتھ جنم لینا شروع کر دیا ہے ۔

دیکھیے اس بحر کی تہہ سے اُچھلتا ہے کیا
گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

معانی: گنبدِ نیلوفری: نیلا آسمان ۔
مطلب: اور یہاں ایک اضطراب کی لہریں دوڑ رہی ہیں اور طوفان کے آثار ہویدا ہیں دیکھنا یہ ہے کہ اس صورت حال میں اس سمندر کی تہہ سے اچھل کر کیا نکلتا ہے ۔

وادیِ کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
لعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

معانی: وادیَ کہسار: پہاڑی وادی ۔

مطلب: اس اولین شعر میں اقبال نے وادی کہسار میں غروب آفتاب کا نظارہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس لمحے تو بادل بھی شفق کے رنگ میں غرق ہو چکے ہیں ۔ یوں لگتا ہے ڈوبتا سورج اس مقام پر غروب ہوتے ہوئے لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ وادی کوہ میں موجود سنگریزوں پر شفق کی سرخی جس طرح پڑ رہی ہے اس کے سبب یہ سنگریزے لعل بدخشاں دکھائی دیتے ہیں ۔

سادہ و پرسوز ہے دخترِ دہقاں کا گیت
کشتیِ دل کے لیے سیل ہے عہدِ شباب

معانی: سادہ و پرسوز: دل کو سوز دینے والا ۔ دختر دہقاں کا گیت: کسان کی بیٹی کا گیت ۔ سیل ہے عہدِ شباب: جوانی کا دور ایک طوفان ہے ۔

مطلب: اس منظر نامے میں کسان کی ایک بیٹی سادہ لیکن پر سوزلے میں اس طرح گیت گا رہی ہے کہ جس سے یہ اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں کہ ایک دوشیزہ کے دل کو اگر کشتی سے تعبیر کیا جائے تو شباب کا زمانہ ایک طوفان کے مانند ہو گا ۔

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

مطلب: اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ میں اندلس کے مشہور دریا دارلکبیر کے کنارے پر بیٹھا کسی اور زمانے کے بارے میں خواب دیکھ رہا ہوں ۔

عالمِ نو ہے ابھی پردہ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

معانی: بے حجاب: ظاہر۔
مطلب: ہرچند کی آنے والا نیا دور ابھی تک پردہ تقدیر میں پوشیدہ ہے اقبال کہتے ہیں کہ اس کے باوجود میں اس کی حقیقتوں سے پوری طرح آگاہ ہوں ۔

پردہ اُٹھا دوں اگر چہرہَ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

معانی: تاب: برداشت کرنے کی قوت ۔ فرنگ: مغربی دنیا۔
مطلب: اس شعر میں اقبال اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ یورپ نے جو افکار اپنائے ہیں اگر ان کی حقیقت بیان کر دوں تو یورپ کے دانشور شاید اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے کہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے ۔

جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
رُوحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب

معانی: روحِ امم: قوموں کی روح ۔ کشمکش انقلاب: تبدیلیوں کی کشمکش ۔
مطلب: اس شعر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ وہ زندگی موت سے بھی بدتر ہے جس میں انقلاب اور تغیر وتبدل کی صلاحیت نہ ہو

۔ یہی نہیں بلکہ وہ انقلابی جدوجہد کو بین الاقوامی سطح پر زندگی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح ایک مقام پر ٹھہرا ہوا پانی کچھ عرصے بعد سڑانڈ دینے والا لگتا ہے یہی حال ایک قوم کا ہے کہ اگر اس میں عملی جدوجہد کا جذبہ موجود نہ ہو تو وہ عروج سے ہم کنار نہیں ہو سکتی اس مقصد کے لیے تو زندگی میں انقلابی عمل درکار ہوتا ہے ۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

مطلب: وہ قوم جو اپنی جدوجہد اور عمل کے دائرہ کار میں خود احتسابی کو روا رکھتی ہے تو اسے اپنی خامیوں اور خوبیوں کا اندازہ ہوتا رہتا ہے ۔ وہ اپنی خامیوں کو دور کر لیتی ہے اور خوبیوں میں اضافے کے بارے میں سوچتی ہے ۔ اس کی حیثیت تو ایک تلوار کی مانند ہے جس سے قدرت کام لینے کی خواہاں ہو ۔

نقش ہیں سب ناتمام، خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام، خونِ جگر کے بغیر

معانی: سودائے خام: نامکمل جذبۂ عشق ۔
مطلب: اور اس ضمن میں حرف آخر یہ ہے کہ عملی جدوجہد اور خون جگر صرف کیے بغیر تمام نقوش اور کام نامکمل رہتے ہیں حتیٰ کہ شاعری کی تخلیق بھی خون جگر کی شمولیت کے بغیر نیم دیوانگی کے سوا اور کچھ نہیں ۔ مراد یہ کہ ہر عمل کے لیے خون جگر بنیادی شرط ہے ۔

قید خانہ میں معتمد کی فریاد

اک فغانِ بے شرر سینے میں باقی رہ گئی
سوز بھی رخصت ہوا جاتی رہی تاثیر بھی

معانی: فغانِ بے شرر: چنگاری سے خالی فریاد، بے اثر ۔
مطلب: معتمد بقول علامہ اقبال اشبیلیہ کا بادشاہ اور عربی زبان کا مشہور شاعر تھا ۔ ہسپانیہ کے ایک حکمران نے اسے شکست دے کر قید میں ڈال دیا ۔ اس کی نظمیں انگریزی زبان میں ترجمہ ہو کر وزڈم آف دی ایسٹ سیریز میں شاءع ہو چکی ہیں ۔ زیر شرح نظم کا ترجمہ بھی اقبال نے انگریزی زبان سے کیا ہے ۔ نظم کے اس شعر میں کہا گیا ہے کہ بقول معتمد میں قید خانے کی چار دیواری میں محبوس ہوں ۔ اس وقت مایوسی اور دل شکستگی کی صورت حال یہ ہے کہ میرا سینہ ہر قسم کے جذبہ مردانگی اور جوش و خروش سے خالی ہو چکا ہے بس لے دے کے ایک فریاد اور باقی رہ گئی ہے جس میں کوئی چنگاری دکھائی نہیں دیتی ۔ اور حد تو یہ ہے کہ فریاد میں بھی سوز باقی نہیں رہا اور وہ تاثیر سے بھی محروم ہو گئی ہے ۔

مردِ حر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
میں پشیماں ہوں، پشیماں ہے مری تدبیر بھی

معانی: مردِ حر: مردِ آزاد ۔ زنداں : قید خانہ ۔ پشیماں : شرمسار ہوں ۔
مطلب: اس شعر میں معتمد کہتے ہیں کہ کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ مجھ سا حریت پسند انسان قید خانے کی چار دیواری میں بند ہے ۔ اپنے حریف کے خلاف میں نے جو منصوبہ بندی کی تھی آج اس کا یہ خمیازہ بھگتنا پڑا ہے کہ میں اس غلط منصوبہ بندی کے باعث شرم سے پانی پانی ہوا جا رہا ہوں ۔

خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی

مطلب: مجھے میرے دشمن نے جس زنجیر میں جکڑا ہوا ہے اب تو میرا دل بھی اسی زنجیر کی جانب کھنچا جا رہا ہے ۔ حالانکہ میں تو ہمیشہ سے صاحب شمشیر رہا ہوں ۔ زنجیر سے اس کشش کا کہیں یہ مطلب تو نہیں کہ دونوں ایک ہی فولاد سے تیار کی گئی ہوں ۔

جو مری تیغِ دودم تھی، اب مری زنجیر ہے
شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تقدیر بھی

مطلب: یہی کشش اس امر کی مظہر ہے ۔ میرے ہاتھ میں کبھی جب دو دھاری تلوار ہوتی تھی اب وہ میرے ہاتھ اور پاؤں کی زنجیر میں ڈھل گئی ہے ۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ میں جو کبھی صاحب تخت و تاج تھا اور جاں نثاروں کے ایک لشکر کا سالار بھی تھا آج قید خانے کی زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے ۔ شاید یہ تقدیر کا کھیل ہی ہے تاہم اس سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ خالق تقدیر کس قدر بے پروا اور بے نیاز واقع ہوا ہے ۔

ہسپانیہ

(ہسپانیہ کی سرزمین پر لکھے گئے۔ واپس آتے ہوئے)

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے
مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں

مطلب: ہسپانیہ وہ سرزمین ہے جہاں صدیوں تک نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کا اقتدار قائم رہا بلکہ وہ وقفے وقفے سے عیسائی حکمرانوں کی یلغار کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس سرزمین کو مسلمانوں نے ہر ممکن جدوجہد اور قربانی سے زندگی کے ہر شعبے میں انتہائی عروج پر پہنچایا۔ ہسپانیہ پر اپنا تسلط برقرار رکھنے اور اس سرزمین کے دفاع میں لاکھوں مسلمانوں نے اپنے خون کا نذرانہ پیش کیا۔ اس لیے اگر اقبال اس سرزمین کو مسلمانوں کے خون کی امانت دار سمجھتے ہوئے اسے حرم کعبہ کی طرح پاک اور محترم گردانتے ہیں تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ مسلمانوں کی قربانیوں کے سبب آج بھی ہسپانیہ کی تہذیب و ثقافت ساری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں

مطلب: اے ہسپانیہ! جب بھی چشم بصیرت سے دیکھا تو یوں لگتا ہے کہ تیری خاک پر ابھی تک ان سجدوں کے نشان ثبت ہیں جو سات سو سال سے زیادہ عرصے تک یہاں مسلمانوں نے ادا کئے۔ اسی طرح جب یہاں صبح کی ہوا چلتی ہے تو اس میں ماضی کی اذانوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ اور اس دور کی یاد تازہ کر جاتی ہے۔

روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنانیں
خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں

مطلب: یہ سجدہ گزار وہی جاں نثار تھے ۔ جنگ و جدل کے دوران جن کی تلواریں اور نیزے اس طرح سے چمکتے تھے جیسے ستارے جگمگا رہے ہوں یہی وہ لوگ تھے جو آرام و آسائش کی پروا نہیں کرتے تھے ۔ بلکہ ان کے خیمے پہاڑوں کی چوٹیوں اور ان کے دامن میں نصب ہوتے تھے ۔ وہ ہر لمحے حالت جنگ میں ہوتے تھے اس لیے انہیں مستقل ٹھکانوں کی پرواہ نہ تھی ۔

پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی
باقی ہے ابھی رنگ مرے خونِ جگر میں

مطلب: ہسپانیہ کی سرزمین حال کی طرح ماضی میں بھی حسن و جمال کا سرچشمہ رہی ہے ۔ اقبال پیشکش کرتے ہیں کہ ہسپانیہ اگر تیری حسین صورت کو اپنے جمال میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے تو میرا خون ان کے لیے مہندی کا بدل ثابت ہو سکتا ہے اور ابھی اس خون کی ایک قلیل مقدار میرے جسم میں محفوظ ہے ۔

کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں
مانا وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں

معانی: ہرچند کہ آج کے مسلمانوں میں وہ جذبہ ، حرارت اور غیرت باقی نہیں رہی جو ماضی کے ادوار میں ہوتی تھی اس کے باوجود وہ اپنے حریفوں سے ڈرنے والے نہیں ہیں ۔

غرناطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے ، ولیکن
تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں

مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ ہسپانیہ میں قیام کے دوران میں نے غرناطہ کا مشہور شہر بھی دیکھا جو قرطبہ کی عظمت میں مٹ جانے کے بعد اندلس کے آخری مسلمان حکمران کا دارالحکومت بنا اور جہاں وہ مشہور زمانہ شاہی محل اب تک موجود ہے جو الحمرا کے نام سے موسوم ہے اور دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ غرناطہ جیسے عظیم الشان مناظر دیکھنے کے باوجود سکون قلب میسر نہیں ہوا ۔

دیکھا بھی دکھایا بھی، سنایا بھی سنا بھی
ہے دل کی تسلی نہ نظر میں ، نہ خبر میں

مطلب: اس آخری شعر میں کہا گیا ہے کہ میں نے (اقبال نے) ہسپانیہ کے دوران قیام ہر نوع کے خوشنما مناظر بھی دیکھے اور ان کے بارے میں دوسروں سے مختلف نوعیت کی داستانیں بھی سنیں ۔ ان کا جلال و جمال اپنے اشعار کے ذریعے دوسروں تک پہنچانے کے علاوہ وہ باتیں بھی دہرائیں جو اوروں کی زبانی سنی تھیں اس کے باوجودہ میں سکون قلب حاصل نہ ہو سکا ۔

طارق کی دعا

(اندلس کے میدانِ جنگ میں)

یہ غازی ، یہ تیرے پراسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

معانی: پراسرار: راز رکھنے والے ۔ خدائی: حکومت ۔

مطلب: جب مسلمانوں نے پہلی بار ہسپانیہ پر قبضہ کیا تو اس فوج کا سپہ سالار طارق بن زیاد تھا ۔ وہ انتہائی دلیر، جرات منداور اصولوں کا پکا تھا ۔ عالم اسلام کے ممتاز سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کی زیر تربیت تمام عسکری فنون عسکری فنون پر اس نے مہارت حاصل کر لی تھی ۔ انھی ایام میں اندلس سے مسلمانوں کی ایک جماعت ہسپانیہ کے سربراہ مملکت راڈرک کے ظلم و ستم کی داستانوں کے ساتھ موسیٰ بن نصیر کے پاس آئی تو اس نے اپنے چند فوجی دستے سرحدی علاقوں کا جائزہ لینے کے لیے بھیجے جو ہسپانوی فوج سے معلولی جھڑپ کے بعد واپس چلے آئے ۔ موسیٰ بن نصیر نے بالاخر تمام صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد پانچ ہزار جنگجو فوجیوں کا نسبتاً ایک بڑا لشکر طارق بن زیاد کی قیادت میں بھیجا ۔ اس معرکے کا سب سے اہم اور تاریخی واقعہ یہ ہے کہ طارق جن جہازوں پر سمندر پار کر کے اپنی فوجوں کو دشمن کے علاقے میں لے گیا تھا ساحل پر اترتے ہی اس نے ان جہازوں کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کا کوئی سپاہی واپسی کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے ۔ کئی روز کی خونریز جنگ کے بعد طارق کا لشکر فتح یاب ہوا اور راڈرک فرار ہوتے ہوئے ایک دریا میں ڈوب کر مرگیا ۔ اس حملے نے ہسپانیہ کی تقدیر بدل کر رکھ دی بعد میں اس ملک پر مسلمانوں کا ساڑھے سات سو سال تک قبضہ برقرار رہا ۔ اس پر منظر میں یہ نظم ہرچند کہ اقبال کے تصوراتی اشعار پر مبنی تاہم اس واقعہ کے باعث نظم کی اہمیت بھی دوچند ہو جاتی ہے ۔ اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ پالنے والے! میرے فوج کے جیالے جو اپنی کشتیاں جلا کر راہ حق میں اپنے دشمن کے خلاف نبرد آزما ہیں وہ غازی ہیں جن کے کردار اور صلاحیتوں کا بھید کسی پر منکشف نہیں ہوتا اس لیے کہ ان کو تو تیری جانب سے قیادت اور سرداری کی صلاحیت عطا ہوئی ہے ۔

دونیم ، ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

مطلب: یہ لوگ تو صحراؤں اور دریاؤں کو بھی خاطر میں نہیں لاتے ۔ ان کی ہیبت سے پہاڑوں کے دل بھی لرز اٹھتے ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ ان کے جانبازوں کے عزم و حوصلے اور جرات و ہمت کے سامنے جنگل دریا اور پہاڑ بھی کوئی معنی نہیں رکھتے ۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

مطلب: اس کی وجہ اے باری تعالیٰ ان غازیوں کے پاکیزہ قلوب میں تیرے عشق حقیقی کا موجزن ہونا ہے کہ اس عشق میں ہی وہ لذت موجود ہوتی ہے جو انسان کو ہمیشہ سرمست رکھتی ہے اور دونوں جہانوں سے بھی بے نیاز کر دیتی ہے ۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت ، نہ کشور کشائی

مطلب: یہ لوگ ایسے صاحب ایمان ہیں جن کا مقصد تیری راہ میں شہادت کے حصول کے سوا اور کچھ نہیں ۔ وہ نہ تو دوسروں کی املاک پر قابض ہونے میں یقین رکھتے ہیں نا ہی اس قبضے سے حاصل ہونے والا لوٹ کا مال ان کا مقصود ہوتا ہے ۔

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

مطلب: ہسپانیہ اگرچہ خوش حال اور سرسبز علاقہ ہے لیکن اے باری تعالیٰ تیرے نام اور ملک کی سربلندی کے لیے تیرے غازی ہر قربانی دینے یہاں آ گئے ہیں ۔

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا

خبر میں، نظر میں ، اذانِ سحر میں

مطلب: تو نے عرب نشین مسلمانوں میں وہ صلاحیت پیدا کر دیں جو عشق حقیقی سے آگاہی، اور اشیاء کی پہچان کے علاوہ صبح کی اذان میں جو سرور اور کیفیت ہوتی ہے ان سب کی بنا پر انہیں یگانہ روزگار بنا دیا ۔ مراد یہ ہے کہ ان لوگوں میں زندگی کی جملہ حقیقتوں کا ادراک پیدا کر کے انہیں دوسروں سے افضل بنا دیا ۔

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو

وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں

مطلب: حیات انسانی صدیوں سے جن خصوصیات سے محروم تھی اے مالک! عرب کے صحرا نشینوں میں تو نے وہی صلاحیتیں اور خصوصیات پیدا کر کے انہیں ایک ایسی مثالی قوم میں ڈھال دیا جو دوسری قوموں کو نصیب نہ ہو سکیں ۔ مسلمانوں کے دلوں میں کچھ کر گزرنے کی جو تڑپ اور اضطراب ہے وہی حقیقی زندگی کی مظہر ہیں ۔

کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو

ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

مطلب: میرے مولا! ان صحرانشینوں کی خصوصیت تو یہ بھی ہے کہ وہ موت کو ہلاکت نہیں تصور کرتے بلکہ ان کے لیے نہ صرف یہ کہ زندگی آخرت کی کھیتی ہے بلکہ وہ تو حیات بعد الموت کے قائل ہوتے ہوئے موت کے بعد کی زندگی کو پہلی زندگی سے بدرجہا بہتر اور افضل سمجھتے ہیں ۔ اس صورت میں موت انہیں کیسے خوفزدہ کر سکتی ہے

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرہَ لا تذر میں

مطلب: حضرت نوح نے مولائے کائنات سے دعا کی تھی کہ دنیا سے کفر کی ظلمت کو مٹا دے اور اسے نور ایمان سے لبریز کر دے ۔ اسی حوالے سے دعا کے اس شعر میں کہا گیا ہے باری تعالیٰ تو اپنی رحمت سے مرد مومن کے دل میں وہی جذبہ پیدا کر دے جو حضرت نوح کی دعا میں موجود تھا ۔

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے

مطلب: اے مالک! عزم و حوصلے کے جذبے مومنوں کے سینوں میں دفن ہیں انہیں پھر سے بیدار کر دے کہ مسلمانوں کی نگاہیں تلوار کی مانند کاٹ کی حامل ہوں جو حریف کو فنا کے گھاٹ اتار دیں یعنی ان میں عملی جدوجہد کا جذبہ پیدا ہو سکے ۔

لینن

(خدا کے حضور میں)

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات

معانی: اَنفس و آفاق: زمین و آسمان ۔ آیات: نشانیاں ۔
مطلب: لینن روس کا وہ عظیم انقلابی رہنما تھا جس نے کارل مارکس کے اشتراکی فلسفے کو عملی جامہ پہنا کر نہ صرف یہ کہ اپنی جماعت بنائی جس کا نام بالشویک تھا بلکہ 1917 ء میں زار روس کا تختہ الٹ کر اشتراکی حکومت قائم کی ۔ ہرچند کہ اقبال کا اشتراکی نظریات سے کوئی تعلق نہ تھا تاہم انھوں نے اس فلسفے اور اس کے رہنماؤں بالخصوص لینن کے فکر و فلسفے کو جس انداز سے دیکھا یہ نظم اس کی ایک واضح شکل ہے ۔ اس نظم میں علامہ نے لینن کو خدائے ذوالجلال سے مکالمہ کرتے ہوئے پیش کیا ہے ۔ فرماتے ہیں ،
اے خدا! میں اس حقیقت سے توآشنا ہوں کہ عالم ارواح اور عالم اجسام دونوں مقامات پر تیری نشانیاں واضح اور نمایاں ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ تیرا وجود ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے ۔

میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات

معانی: متغیر: بدلنے والے ۔
مطلب: لیکن اس عالم آب و گل میں فلسفہ و دانش اور ان کے حوالوں سے نظریات میں ردوبدل ہوتا رہتا ہے اس نے ایک

تذبذب کی کیفیت پیدا کر دی ہے جس کے سامنے تیرے وجود کے بارے میں میں بھی بے یقینی کا شکار رہا اور کوئی واضح شکل سامنے نہ آسکی ۔

محرم نہیں فطرت کے سرودِ ازلی سے
بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات

مطلب: یوں بھی ہے کہ عصر موجود میں علم ہیت و نجوم کے ماہر ہوں یا ماہرین فطرت! وہ خود بھی حقیقت کا صحیح ادراک نہیں رکھتے ۔ اول الذکر تو ستاروں کی گردش پر اکتفا کرتے ہیں اور دوسرے آئے دن نئی نئی باتیں سناتے ہیں لیکن دیکھا جائے تو ان کو فطرت کے مظاہر سے کوئی آگاہی نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ خود بھی تیری ذات کے عرفان سے محروم رہے اور دوسروں کو بھی محروم رکھا ۔

آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات

مطلب: یہ درست ہے کہ جب تک زندہ رہا اس وقت کلیسا کی تعلیم اور پادریوں کی باتوں کو بے معنی سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا لیکن اب عالم آخرت میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ تمام باتیں تو حقیقت پر مبنی تھیں ۔

ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالقِ اعصار و نگارندۂ آنات

معانی: اعصار: زمانے ۔ نگارندۂ آنات: گھڑی پل بنانے والا ۔

مطلب: بے شک ہم تو شب و روز کے چکروں میں محصور او بے بس انسان ہیں اور اے باری تعالیٰ جہاں تک تیری ذات کا تعلق ہے تو زمانوں کا خالق اور ایک ایک لمحے کی واردات کو محفوظ کرنے والا ہے ۔

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات

مطلب: تاہم! اگر تو مجھ کو اجازت دے اور میری اس جسارت سے درگزر کرے تو وہ بات ضرور پوچھوں گا جسے دنیا کے بڑے بڑے فلسفی اور ان کی تصانیف حل نہ کر سکیں ۔

جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات

مطلب: اور وہ یہ کہ جب تک میں زندہ رہا یہی بات میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی ۔ مطلب: اپنا مدعا بیان کرنے سے قبل یہ ضرور تسلیم کروں گا کہ جب روح میں خیالات متلاطم ہوں تو انسان کو اپنی گفتگو پر قابو نہیں رہتا چنانچہ اس جسارت کے لیے پہلے سے معذرت خواہ ہوں ۔

وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدمِ خاکی کہ جو ہے زیرِ سماوات

مطلب: لیکن اے خالق کائنات! بس اتنا بتا دے کہ وہ کون سا انسان ہے کہ تو جس کا معبود ہے کیا یہ وہی انسان تو نہیں جو خاک کا پتلا ہے اور جو زیر آسمان آباد ہے ۔

مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی
مغرب کے خداوند درخشندہ فلزّات

معانی: خداوند: مالک، حاکم ۔ سفیدانِ فرنگی: مغربی لوگ، گورے ۔ درخشندہ فلزات: چمکنے والی دھات، سونا چاندی وغیرہ ۔
مطلب: لیکن مشرق کے انسانوں کے خدا تو مغرب کے سفید فام لوگ بنے ہوئے ہیں جنھوں نے اس علاقے پر اپنا تسلط قائم کیا ہوا ہے اور جہاں تک اہل مغرب کا تعلق ہے وہ ہر لمحے چمکدار دھاتوں یعنی اسلحہ اور سکوں کی پرستش کرنے میں مصروف رہتے ہیں ۔ پھر اے باری تعالیٰ یہ تو بتا کہ تیرا پرستار کون ہے ۔

یورپ میں بہت روشنیِ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہَ حیواں ہے یہ ظلمات

معانی: چشمہَ حیواں : ہمیشہ کی زندگی کا چشمہ ۔
مطلب: مجھے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ یورپ میں علم و ہنر اور سائنس و فلسفہ نے بڑی ترقی کی ہے اور وہاں ہر سو عقل و خرد کی روشنی ہے لیکن پھر بھی وہاں تاریکی کا دور دورا ہے اور اس تاریکی میں کوئی ایسا چشمہ حیوان نہیں جس سے انسان حقیقی زندگی حاصل کر سکے ۔

رعنائیِ تعمیر میں ، رونق میں صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

مطلب: یورپ میں تو صورت حال یہ ہے کہ فن تعمیر، رونق اور صفائی کے اعتبار سے بنکوں کی عمارتیں گرجا گھروں کی نسبت زیادہ آسودہ نظر آتی ہیں اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ یورپی باشندوں کو مذہبی عبادت گاہوں سے زیادہ اپنی دولت اور کاروبار سے لگاوَ ہے ۔

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

معانی: مرگِ مفاجات: اچانک موت ۔
مطلب: تاہم امرواقع یہ ہے کہ بظاہر یہ لوگ تجارت اور کاروبار کر رہے ہیں لیکن عملی طور پر اس کی حیثیت جوئے سے کم نہیں ۔ یورپ میں کاروبار بالعموم سٹے کی بنیاد پر ہوتا ہے جس میں ایک آدھ شخص کو فائدہ ہوتا ہے جب کہ لاکھوں لوگ اقتصادی طور پر تباہ ہو جاتے ہیں ۔

یہ علم ، یہ حکمت ، یہ تدبر ، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

معانی: تدبر: سوچ بچار ۔ مساوات: برابری ۔
مطلب: چنانچہ وہاں جو علم و فلسفہ اور حکمت و سلطنت ہیں وہ بظاہر تو مساوات کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں لیکن عملاً اپنے استعماری منصوبوں سے لوگوں کے جسموں سے خون نچوڑ لیتے ہیں ۔

بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

معانی: عریانی: ننگے رہنا ۔ مے خواری: شراب نوشی ۔ افلاس: غریبی ۔ مدنیت: معاشرہ ۔
مطلب: مغرب میں ہر نوع کی ترقی کے باوجود آج بھی کیفیت یہ ہے کہ ان کے زیر نگیں ممالک میں بیروزگاری اور غربت نے ڈیرہ جما رکھا ہے تن ڈھانپنے کو لباس نہیں اور شراب نوشی کی لعنت عام ہے ۔ ان مسائل کے پیدا کرنے کے علاوہ اہل یورپ نے خلق خدا کے لیے کون سی خدمات سرانجام دی ہیں ۔

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

معانی: فیضانِ سماوی: آسمانی فیض ۔ برق و بخارات: بجلی و بھاپ ۔
مطلب: مغربی قوم نے بے شک بجلی اور بھاپ کی قوتوں کو تسخیر کر کے اپنے لیے ترقی کی راہیں تو کھول دی ہیں لیکن اسے قدرت کے انعامات پر اعتماد نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ وہ اخلاقی اقدار سے محروم ہو چکی ہے اور سائنسی اور فنی ارتقاء کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھی ہے ۔

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

معانی: احساسِ مروت: ایک دوسرے سے محبت کا جذبہ ۔ آلات: ہتھیار ۔
مطلب: یورپ نے صنعتی ارتقاء کے لیے نت نئی مشینوں کی ایجاد سے ان کی اجارہ داری تو قائم کر لی لیکن اس عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسانوں کے دل فولاد کی طرح بے حس ہو گئے اور خود بھی مشین ہی بن گئے اس کے نتیجے میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ انسانی ہمدردی کے ساتھ مروت اور احسان کے احساسات بھی ان مشینوں کی زد میں آ کر کچلے گئے ۔ یعنی خود انسان فولادی مشینوں کی مانند بے حس ہو گیا ۔

آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات

معانی: شاطر: شطرنج کھیلنے والا ۔
مطلب: تاہم اس سائنسی اور فنی ارتقاء کے ذریعے یورپ میں جس طرح کی مصنوعی زندگی بروئے کار آئی ہے اس کی ناکامی کے آثار

نمایاں ہونے لگے ہیں اور یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ تقدیر بالاخر انسانی تدبیروں کو شکست دینے میں پھر سے کامیاب ہو گئی ہے ۔ جس کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ استعمار پرستوں نے جو سرمایہ دارانہ صنعتی نظام قائم کیا تھا وہ اب شکست و ریخت سے دوچار ہوتا نظر آرہا ہے ۔ اس نظام کا مقصد محض دولت کا ارتکاز اور پس ماندہ اور غیر ترقی یافتہ قوموں کو لوٹ کر مزید انحطاط سے دوچار کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا ۔ خود یورپ میں محنت کشوں میں بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے ان کو احساس ہو چکا ہے کہ صنعتکار اور سرمایہ داران کی محنت سے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں اور وہ خود افلاس کی چکی میں بری طرح سے پستے جا رہے ہیں ۔ چنانچہ ان کی صفوں میں ہلچل پیدا ہو چکی ہے اور شدید رد عمل کا آغاز ہو چکا ہے ۔

میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

معانی: تزلزل: کانپ جانا، زلزلے کی حالت ۔ مات: شکست ۔

مطلب: یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام بے شک کچھ عرصے تک تو کامیابی سے دوچار رہا لیکن اس کی بنیاد چونکہ مستحکم نہ تھی اس لیے اب بری طرح سے انتشار سے دوچار ہے ۔ چنانچہ اس نظام کو جاری رکھنے والے خود پریشان ہیں کہ جو صورت حال سامنے نظر آ رہی ہے اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوں ۔

چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سرِ شام
یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات

مطلب: اس مشینی اور استعماری نظام نے جہاں دوسروں کو متاثر کیا ہے وہاں خود اس نظام کے مدعی اہل یورپ کی صحتیں برباد ہو چکی ہیں ۔ سر شام جب وہ گھر سے بن ٹھن کر برآمد ہوتے ہیں تو ان کے چہروں کی سرخی فطری نہیں بلکہ اس امر کی غماز ہوتی ہے کی یا تو ان کے چہروں پر شراب نوشی یا پھر مختلف نوعیت کے پاوڈر کے استعمال کے سبب سرخ ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ مصنوعی زندگی نے ان کی صحتوں کو گھن کی طرح چاٹ لیا ہے اور اب جو چہروں پر سرخی نظر آتی ہے وہ فطری نہیں بلکہ مصنوعی ہے ۔

تو قادر و عادل ہے، مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

معانی: قادر و عادل: قدرت کا مالک اور انصاف کرنے والا ۔ تلخ: تکلیف دہ ۔

مطلب: نظم کے ان آخری دو اشعار میں یہ لہجہ نسبتاً زیادہ تلخ نظر آتا ہے ۔ زیر تشریح شعر میں باری تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بے شک تجھے کائنات کی ہر شے پر قدرت حاصل ہے اور تو عادل و منصف بھی ہے اس کے باوجود اتنا بتا دے کہ تیری دنیا میں مزدوروں اور محنت کشوں کی زندگیوں میں تلخیاں کیوں بھری ہوئی ہیں ۔ انہیں اطمینان قلب کیوں نصیب نہیں ہوتا

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

معانی: سفینہ: بیڑا، جہاز ۔ روزِ مکافات: بدلے یا سزا کا دن، قیامت ۔

مطلب: مجھے اب اتنا بتا دے کہ سرمایہ دارانہ اور استعماری نظام کب تباہ ہو گا اب تو ساری دنیا اس ضمن میں روز مکافات کی منتظر ہے ۔ بے شک ظالم کی رسی ایک حد تک دراز ضرور ہوتی ہے لیکن بالاخر ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب تیرا عذاب اس پر نازل ہوتا ہے ۔ استعماری نظام اب ظلم کی انتہا تک پہنچ گیا ہے ۔ اس پر تیرا عذاب کب نازل ہو گا ۔ اور دنیا بھر کے لوگ اس ظالمانہ نظام سے کب نجات پا سکیں گے ۔

فرشتوں کا گیت

عقل ہے بے زمام ابھی، عشق ہے بے مقام ابھی
نقش گرِ ازل ترا نقش ہے ناتمام ابھی

معانی: بے زمام: لگام کے بغیر، بے قابو۔ نقش گرِ ازل: ازل کا پیدا کرنے والا، اللہ تعالیٰ۔
مطلب: اس نظم کے اس اولین شعر میں فرشتے باری تعالیٰ کے حضور استدعا کرتے ہیں کہ تو نے انسان کو عقل و دانش اور عشق و محبت کے جذبوں سے اس لیے نوازا تھا کہ وہ تیرے مشن کی تکمیل کر سکے لیکن صورت یہ ہے کہ نہ وہ عقل و دانش سے کوئی مثبت کام لے سکا نا ہی معاشرے میں عشق و محبت کے جذبے کو عام کر سکا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تو نے جو نقش وضع کیا تھا وہ عملی سطح پر ابھی تک ادھورا ہے۔

خلقِ خدا کی گھات میں رِند و فقیہ و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی

معانی: رند: شرابی۔ فقیہ: عالم لوگ۔ میر: حاکم۔ پیر: رہنما۔
مطلب: اے مالک دو جہاں! آج بھی صورت حال یہ ہے کہ رند ہو یا فقیہ، امیر ہو یا کوئی سجادہ نشیں یہ سب عوام الناس کو اپنے مفاد کے لیے آلہ کار بنانے میں مصروف ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیری دنیا میں جو حالات پہلے تھے ان میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ وہ حالات جوں کے توں ہیں۔

تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی

معانی: بندہ: غریب ۔ گرد: آوارہ ۔ خواجہ: اونچی کوٹھی والا ۔

مطلب: تیرے روسا کا حال تو یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت کمانے میں مصروف ہے اور ہر جائز و ناجائز طور پر اپنی تجوریاں بھر رہا ہے جب کہ تیرے درویش اپنے حال پریشاں میں ہی مست نظر آتے ہیں ۔ دوسرے الفاظ میں عام آدمی تو گلی کوچوں میں دھکے کھاتا پھرتا ہے اور آقاؤں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بلند و بالا محلات میں عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں ۔

دانش و دین و علم و فن بندگیِ ہوس تمام
عشقِ گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی

معانی: بندگیِ ہوس: لالچ کی عبادت ۔ گرہ کشا: مطلب حل کرنے والا ۔

مطلب: عقل و دانش اور علم و فن کے نام لیوا ان خصوصیات کو ذاتی مفادات اور برتری کے لیے استعمال کر رہے ہیں حالانکہ ان تمام خصوصیات کا بنیادی مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ عام لوگوں کی بہتری کے لیے استعمال ہوں اس کی وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ تیرے عشق حقیقی کا فیض عام نہیں ہو سکا ۔

جوہرِ زندگی ہے عشق، جوہرِ عشق ہے خودی
آہ کہ ہے یہ تیغِ تیز پردگیِ نیام ابھی

معانی: پردگیِ نیام: نیام میں پوشیدہ ۔

مطلب: اس ضمن میں ایک نکتہ تو یہ ہے کہ حیات انسانی کا جوہر عشق ہے جب کہ عشق کا جوہر جذبہ خودی ہے چونکہ معاشرے میں خودی بروئے کار نہیں آسکی یہی وجہ ہے کہ زندگی کے جوہر آشکار ہوئے نا ہی عشق کے ۔ اس طرح اب تک سارا عمل ہی ادھورا رہ گیا ہے ۔

ذوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

دریغ آدم زاں ہمہ بوستاں

تہی دست رفتن سوئے دوستاں

(مطلب: افسوس ہے اگر باغوں میں جاتا ہوا دوستوں کے لیے کوئی تحفہ نہ لے جاؤں اور خالی ہاتھ چلا جاؤں (سعدی

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں

چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

مطلب: اس شعر میں اقبال کا اشارہ فلسطین کی جانب ہے کہ اس کے صحرا میں صبح کا ایسا منظر نظر آیا جو قلب و نظر کو منور کر گیا۔ پھر جب آفتاب طلوع ہوا اور اس کی کرنیں فضائے بسیط پر رقص کرنے لگیں تو یوں محسوس ہوا جیسے نور کی ندیاں رواں ہوں۔

حسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردۂ وجود

دل کے لیے ہزار سود، ایک نگاہ کا زیاں

معانی: سود: فائدے۔ نگاہ کا زیاں: نظر کا نقصان۔

مطلب: نگاہوں نے جو منظر دیکھا ہے اس کے مطابق یوں لگتا ہے کہ حسن ازل ایک بار اپنے مستور حصار کو توڑ کر پھر سے بے نقاب ہو گیا ہے۔ گویا وہی منظر سامنے ہے جو تخلیق کائنات کے مرحلے پر دیکھنے میں آیا تھا۔ یہی وہ منظر تھا جو تخلیق آدم کا مظہر بنا۔ ایسا منظر دیکھنے سے انسان کو وہ دولت مل جاتی ہے جو اسے حیات نو سے روشناس کراتی ہے۔

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں

معانی: سرخ و کبود: سرخ اور نیلی ۔ سحابِ شب: رات کا بادل ۔ کوہِ اضم: ایک پہاڑ کا نام جو مدینے کے پاس ہے ۔ طیلساں : چادر ۔

مطلب: فضا میں رات کے وقت جو بادل چھائے ہوئے تھے وہ صبح دم نیلی اور سرخ بدلیاں چھوڑ گئے اور مدینہ منورہ سے شمال کی جانب واقع کوہ اضم کو ان بدلیوں کی رنگ برنگی چادر نے ڈھانپ لیا ۔

گرد سے پاک ہے ہوا، برگِ نخیل دھل گئے
ریگِ نواحِ کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں

معانی: برگِ نخیل: درختوں کے پتے ۔ نواحِ کاظمہ: مدینے کے قریب کاظمہ کا ریگستان ۔
مطلب: اس منظر میں بارش کی آمد نے ہوا کو گرد و غبار سے پاک کر دیا ہے ۔ صحرا میں ایستادہ کھجور کے درختوں کی شاخیں پھواروں سے دھل کر اور زیادہ نکھر گئی ہیں ۔ اس کے علاوہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس بارش کی وجہ سے مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں پھیلی ہوئی ریت ریشم کی مانند نرم ہو گئی ہے ۔

آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گذرے ہیں کتنے کارواں

معانی: طناب: خیمے کی رسی ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال نے اس علاقے کی جنگوں اور معرکہ آرائیوں کے پس منظر میں ان فوجی قافلوں اور عساکر کی نشاندہی کی ہے ۔ میدان مبارزت میں جاتے ہوئے جنہوں نے یہاں عارضی طور پر قیام کیا لیکن پھر افراتفری میں اس طرح روانگی اختیار کی کہ

چنے لپیٹتے ہوئے ان کی طنابوں کے ٹوٹنے کی پروا بھی نہیں کی ۔ گزشتہ ایک صدی کے دوران فلسطین اور اس علاقے کے لوگوں کو جس محاذ آرائی سے واسطہ رہا وہ تاریخ کا ایک اہم باب ہے ۔ اقبال نے اسی جانب اشارہ کیا ہے ۔

آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی
اہلِ فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی

مطلب: اقبال کا کہنا ہے کہ دوران سفر اس مقام پر محض یوں لگا کہ حضرت جبرئیل اس امر سے مجھے مطلع کر رہے ہیں کہ میں اس علاقے کی تاریخ اور حقائق سے آگاہی کا خواں تو یہی وہ مقام ہے جس کے جائزے اور کواءف سے مجھے حقیقت احوال کا پتہ چل سکتا ہے ۔

کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مئے حیات
کہنہ ہے بزمِ کائنات، تازہ ہیں میرے واردات

معانی: کہنہ ہے بزم کائنات: کائنات کی محفل پرانی ہے ۔ تازہ: نئے ۔ واردات: تجربات ۔
مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ مجھے قدرت نے ایسے دور میں تخلیق کیا ہے کہ وہ انتہائی کہنہ عقائد کی آماجگاہ ہے اس پر ستم یہ کہ مجھے ایسے فرسودہ معاشرے میں نئے تصورات اور اجتہادی فکر کے ساتھ بھیجا گیا ہے ۔ اب اس کا گلہ اور شکایت کس سے کی جائے کہ اس نوع کی تضادات نے میری زندگی میں زہر گھول کر رکھ دیا ہے ۔ مسئلہ یہ ہے کہ عہد حال کے پس منظر میں میری سوچ اور نظر مستقبل تک رسائی حاصل کرنے کی اہل ہے جب کہ میرے گردوپیش فرسودہ اور منتشر نظریات سرگرداں نظر آتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ جس عہد میں آج انسان سانس لے رہا ہے وہ بے حد پرانا ہو چکا ہے جو نئے افکار کو برداشت کرنے کا اہل نہیں ۔

کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات

معانی: غزنوی: محمود غزنوی ۔ کارگہِ حیات: زندگی کا میدانِ جنگ ۔ اہلِ حرم کے سومنات: مسلمانوں کے بت، قبریں، فرقے ۔
مطلب: اس وقت صورت حال یہ ہے کہ فقیہان کرام نے حرم اور مساجد کو بھی اسی طرح اندھی تقلید اور پرستش کی آماجگاہ بنا لیا ہے جس طرح سومنات کے مندر میں بتوں کی پرستش کا دور دورہ تھا ۔ چنانچہ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نظام کو بدلنے کے لیے محمود غزنوی جیسا کوئی مرد مجاہد اٹھے اور اس صورت حال کو اسی طرح تبدیل کر دے جس طرح اس نے سومنات کے مندر میں بتوں کو پاش پاش کر کے لوگوں میں وحدانیت کا تصور پیدا کیا تھا ۔ مراد یہ ہے کہ کائنات میں فکری سطح پر انقلابی تبدیلی کی ضرورت ہے جو مروجہ فرسودہ نظام کو یکسر بدل ڈالے ۔

ذکرِ عرب کے سوز میں، فکرِ عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات

معانی: مشاہدات: تجربے ۔ تخیلات: خیالات ۔
مطلب: بغور جائزہ لیا جائے تو عرب اور عجم دونوں کا سارا ماحول اور منظر نامہ بدل کر رہ گیا ہے ۔ پہلے عربوں کو ایک آزاد اور حقیقت پسند قوم سے تعبیر کیا جاتا تھا لیکن اب ان میں تصور آزادی اور حقیقت پسندی کا فقدان ہے ۔ یہی حالت اہل عجم کی ہے جو اپنی بلندی فکر اور اعلیٰ تصورات کے باعث بین الاقوامی سطح پر شہرت رکھتے تھے ۔ اب تو عرب بھی اور اہل عجم بھی اپنی تمام تر خصوصیات سے محروم ہو چکے ہیں ۔

قافلہَ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

معانی: تاب دار: خم دار۔ گیسوئے دجلہ و فرات: یعنی عراق کے معاملات ۔

مطلب: اقبال کہتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے لیے اس سے بڑا المیہ اور کیا ہو گا کہ آج پورے حجازی قافلے میں ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جو نواسہَ رسول حضرت امام حسین جیسی سیرت و کردار کا مالک ہو اور ظلم و استبداد کے علاوہ آمریت کے خلاف سربکف اعلان جہاد کر سکے ۔ بد قسمتی یہ ہے کہ ظلم و استبداد اور آمریت آج بھی اپنے عروج پر ہے لیکن اس کے خلاف رزم آرائی کے لیے ایک بھی حسین جیسا جہاد کرنے والا پوری ملت اسلامیہ میں موجود نہیں ۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہَ تصورات

معانی: بتکدہَ تصورات: فرضی بت خانہ ۔

مطلب: اس کی وجہ یقیناً یہ بھی ہے کہ انسان کے قلب میں عشق حقیقی جو ولولہ پیدا کرتا ہے وہ عشق ہی اب ناپید ہے ۔ کربلا میں شہادت عظمیٰ کی اساس یہی عشق حقیقی تھا جس کی بدولت حسین نے نہ صرف یہ کہ اپنی جان ہار دی بلکہ اپنے عزیز و اقارب سمیت بہتر رفقاء کو میدان کربلا میں قربان کر دیا ۔ یہ عشق حقیقی ہی تھا جس کی بدولت نواسہَ رسول نے انتہائی نامساعد حالات اور بے سروسامانی کے عالم میں ظلم و استبداد کے خلاف جہاد کر کے حیات جاوداں حاصل کی ۔ دراصل عشق حقیقی ہی دل و دانش اور نگاہ کی رہنمائی کرتا ہے ۔ عشق کے بغیر تو مذہب اور شریعت محض تصوراتی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں ۔

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق
معرکہَ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

مطلب: چنانچہ یہ عشق ہی تھا جس کی بدولت حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے سچائی اور راست بازی کا رتبہ بلند حاصل کیا ۔ امام عالی مقام حضرت امام حسین نے کربلا کے میدان میں جو قربانیاں دیں اور تین روز کی بھوک اور پیاس کے باوجود لشکر یزید کے خلاف علم جہاد بلند کر کے سر کٹوایا اور زندگی کے آخری مرحلے تک صبر و شکر کا مظاہرہ کیا تو یہ سارا عمل عشق حقیقی کا ہی مرہون منت تھا ۔ اس

کے علاوہ پیغمبر اسلام حضور سرور کائنات نے بدر و حنین کے معرکوں میں کفار کو زیر کر کے جو کامیابیاں حاصل کیں وہ بھی عشق حقیقی کے سبب کیں ۔

آیۂ کائنات کا معنیِ دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

مطلب: اقبال فرماتے ہیں کہ خدا نے جس نے آیات نازل کی ہیں اس طرح کائنات کو بھی تخلیق کیا ہے اور اگر کائنات کو بھی ایک آیت سے تشبیہ دے لی جائے تو یہ ایک ایسی آیت ہوگی جس کا مفہوم اے عشق حقیقی تو ہے کہ آسانی سے جس کی تفہیم نہیں ہو سکتی ۔ ارباب ظاہر و باطن تیری جستجو میں ہیں کہ تیرے بغیر وہ اپنے مقصد میں کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے ۔

جلوتیانِ مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق
خلوتیانِ میکدہ کم طلب و تہی کدو

معانی: جلوتیانِ مدرسہ: مدرسے کے استاد ۔ کور نگاہ: اندھے ۔ خلوتیانِ میکدہ: میکدے میں چھپ کر پینے والے ۔ تہی کدو: تھوڑی طلب رکھتے ہیں ۔
مطلب: لیکن صورت حال یہ ہے کہ جو لوگ بظاہر تحصیل علم میں مصروف ہیں وہ بے بصیرت اور حقیقت سے ناشناس ہیں ۔ ان کے دلوں میں عملاً طلب علم کا ذوق مردہ ہو چکا ہے اور جو لوگ میکدے میں براجمان ہیں وہ صرف کم ظرف ہی نہیں بلکہ خالی پیمانے پر ہی اکتفا کیے ہوئے ہیں ۔ مراد یہ زندگی کے لیے عملی جدوجہد سے عاری اور تہی دست ہیں ۔

میں، کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

معانی: آتش رفتہ کا سراغ: گزری ہوئی آگ کا سوز ۔ سرگزشت کھوئے: پرانے مسلمانوں کا جوش کہانی ۔ جستجو: تلاش ۔
مطلب: اس شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ جہاں تک میری تخلیقی کاوشوں کا سوال ہے تو بس اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اشعار میں اس آتش رفتہ کا سراغ لگانے اوراس میں از سر نو حرارت پیدا کرنے کی سعی کی ہے جو عرصے سے اپنی فطری صلاحیت سے محروم ہو چکی ہے یہی نہیں بلکہ میں تو اپنے سوئے ہوئے ماضی کی جستجو میں مصروف ہوں ۔ وہ ماضی جو درخشندہ اور تابناک تھا ۔

بادِ صبا کی موج سے نشوونمائے خار وخس
میرے نفس کی موج سے نشوونمائے آرزو

معانی: بادِ صبا: صبح کی ہوا ۔ موج: لہر ۔ نشوونما: پیدائش ۔ خار وخس: کانٹوں اور گھاس ۔ نشوونمائے آرزو: خواہشات کا مظاہرہ ۔
مطلب: جس طرح باد صبا کی حیات بخش لہریں گھاس پھوس کو تازگی سے ہم کنار کر کے اس کی نشوونما کا سبب بنتی ہیں اسی طرح میرا آدرش اورپیغام لوگوں کے دلوں میں عملی جدوجہد اور کچھ کرنے کی لگن پیدا کرتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ میرے اشعار پڑھنے والوں میں یقین اور اعتماد کو جنم دیتے ہیں ۔ اس کے علاوہ عشق الہٰی سے روشناس کرا کے روح کو تازگی بخشتے ہیں ۔

خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

معانی: دیکھا جائے تو میں جو اشعار تخلیق کرتا ہوں ان میں میرے قلب و جگر کا لہو شامل ہوتا ہے ۔

فرصتِ کشمکش مدہ ایں دلِ بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را

مطلب: اس شعر میں عشق حبیب سے خطاب کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ تو نے میرے قلب و روح کو جس ولولے اور تڑپ سے روشناس کیا ہے اس میں مزید اضافہ درکار ہے ۔ یہ اضطراب جس قدر زیادہ ہو قلب و روح کو تڑپانے کے ساتھ جلا بھی بخشتا ہے ۔ ولولے اور تڑپ میں اضافہ اور اس کی تشکیل بالکل اسی طرح ہے جس طرح سے محبوب کی تابدار زلفوں کی شکنوں میں اضافے کا مطالبہ کہ ان میں دل الجھ کر رہ جائے ۔

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

معانی: نظم کے اس بند میں جو چھ اشعار ہیں ان کا مطالبہ کسی حد تک تذبذب کو جنم دیتا ہے کہ شاعر نے عملاً یہ بات واضح نہیں کی کہ ان اشعار کا مخاطب کون ہے ۔ تذبذب اور شکست و شبہ کی فضا نے اس لیے جنم لیا کہ بظاہر یہ اشعار باری تعالیٰ سے منسوب کیے جا سکتے ہیں اور پیغمبر آخر الزماں حضور سرور کائنات سے بھی ۔ تاہم اگر سارے بند کا احتیاط اور گہرائی سے جائزہ لیا جائے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے چھٹے اور آخری شعر کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ معمہ حال ہو جاتا ہے ۔ اقبال اس شعر میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تو ہی لوح و قلم کا مالک ہے اور تیرے وجود کا مظہر قرآن ہے ۔ یہاں لوح و قلم کی تراکیب کے حوالے سے رب ذوالجلال کو انسانی تقدیر کا خالق قرار دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ باری تعالیٰ یہ جو رنگ برنگا اور شفاف آسمان ہے یہ تو تیرے دائرہ کار میں ایک معمولی بلبلے کی حیثیت رکھتا ہے

عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب

معانی: اے مولائے کل! ہر چند کہ تو نے اب تک انسانی نظروں سے اپنے وجود کو پوشیدہ رکھا ہے لیکن تیرے جلوے کی علامتیں طلوع آفتاب کی شکل میں سامنے آئی جس کی تابندگی نے ریت کے معمولی ذروں کو بھی منور کر دیا ہے ۔ اسی نوع کی علامتیں پوری کائنات میں روشنی اور ارتقاء کا سبب ہیں ۔

شوکتِ سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود

فقرِ جنید و با یزید، تیرا جمالِ بے نقاب

مطلب: اے باری تعالیٰ سلجوقی خاندان کا جلیل القدر حکمران سنجر اور خاندان عثمانیہ کا مشہور تاجدار سلیم میں جرات، حوصلے اور پختہ عزم و ارادہ کی جو خصوصیات موجود تھیں ان کو اگر تری شان جلال کا مظہر کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ اسی طرح تیری شان جمال حضرت جنید بغدادی اور بایزید بسطامی جیسے مقبول بارگاہ اولیا میں دیکھی جا سکتی ہے۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

مطلب: اگر تیرا عشق میرے سجدہ و نماز کا مقصود و مطلوب نہ ہو تو تیرا دوران نماز میرا قیام بھی بے معنی ہو جاتا ہے اور سجدے میں بھی کوئی کیفیت باقی نہیں رہتی۔ مراد یہ کہ عشق حقیقی کے بغیر نماز اور سجدہ محض نمائشی حیثیت کا حامل ہے۔

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے

عقل، غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

معانی: غیاب و جستجو: گہرائی سے تلاش کرنا۔ حضور و اضطراب: سامنے آنا اور پریشان ہونا۔

مطلب: اگر تیرا کرم ہو تو عقل و دانش اور جذبہ عشق دونوں ہی اپنی مراد پا جاتے۔ دانش و عقل جو تلاش و جستجو میں لگی رہتی ہے اور جذبہ عشق جو حضوری کا خواہشمند رہتا ہے یہی خواہش اسے مضطرب اور بے قرار رکھتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جن میں عقل و دانش نمایاں تھی اور وہ لوگ بھی جو جذبہ عشق سے سرشار تھے بالاخر دونوں ہی تیری عنایات سے مستفید ہونے میں کامیاب و کامران ہو گئے۔

تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

مطلب: اے مولا! اب صورت حال یہ ہے کہ سورج کی گردش جاری رہنے کے بعد بھی ساری دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے لہذا یہ خواہش اب ناگزیر ہوگئی ہے کہ پردے سے باہر آکر اپنا جلوہ دکھا تاکہ ساری دنیا اس سے منور اور تروتازہ ہو جائے ۔ مراد یہ ہے کہ تیری عنایات کے باوجود آج بھی لوگوں کے دل تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں ۔ برائیاں ہر سو فروغ پا رہی ہیں اور نیکی کی طاقتیں کمزور پڑتی جا رہی ہیں ایسے میں ضروری ہے کہ تو اپنا جلوہ دکھا کر انسان کے سینوں کو اس کی روشنی سے منور کر دے ۔

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گزشتہ روز و شب
مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیل بے رطب

معانی: نخیل بے رطب: کھجوروں کا بغیر پھل کا درخت ۔
مطلب: میں جانتا ہوں کہ میرا ماضی اور عمل تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے جہاں تک میرے کردار کا تعلق ہے میں تو اس حقیقت سے بھی بے خبر رہا کہ علم ایک شجر بے ثمر کے مانند ہے اور میں تھا کہ کم و بیش ساری عمر ہی حصول علم میں گزار دی ۔ اس طرح ایک ایسے سائے کے عقب میں دوڑتا رہا جس میں جذبہ عشق کا فقدان تھا ۔

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفی ! عقل تمام بولہب

مطلب: لیکن اب جو اپنے اسلاف کی زندگی بھر کا جائزہ لیا تو مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ عشق حقیقی کی مظہر تو ذات محمد مصطفی ہے اور اس کے مقابلے میں جو عقل و دانش ہے وہ کار بولہبی کے سوا اور کچھ نہیں ۔ عقل و خرد تو ہوس خام کا دوسرا نام ہے ۔ اگر زندگی کا حقیقی مقصود پانا ہے اور کچھ حاصل کرنا ہے تو اس کا منبع ذات محمد مصطفی کے سوا اور کوئی نہیں ہے ۔

گاہ بحیلہ می برد ، گاہ بزور می کشد
عشق کی ابتدا عجب! عشق کی انتہا عجب

مطلب: اے باری تعالیٰ اب مجھ پر یہ راز آشکار ہو سکا ہے کہ عشق کی ابتدا اور اس کی انتہا دونوں عجیب و غریب ہیں ۔ کبھی تو یہ ایسی تدبیروں سے کام لیتا ہے جو فرد کو منزل مراد تک پہنچانے میں مدد دیتی ہیں او کبھی بزور قوت اس کی توجہ اپنی جانب منعطف کراتا ہے جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے مجھے موخر الذکر صورت حال سے واسطہ پڑا ۔ یوں عشق نے مجھے عقل و دانش کے دام سے چھڑا کر ایک مثبت کیفیت سے آشنا کر دیا ورنہ میرے مشاغل تو قطعی اس کے بر عکس تھے ۔

عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگِ آرزو! ہجر میں لذتِ طلب

معانی: مرگِ آرزو: خواہشات کی موت ۔ لذت طلب: طلب کا مزا ۔

مطلب: عشق حقیقی نے یہ بھید بھی آشکار کر دیا کہ اس عمل میں ہجر اور جدائی کو وصل حبیب پر فوقیت حاصل ہے وصل میں تو انسان اپنی خواہش اور آرزو کی تکمیل سے آسودہ ہو جاتا ہے لیکن ہجر میں محبوب کی طلب اور اس سے پیدا ہونے والی تڑپ برقرار رہتی ہے اور یہی تڑپ عاشق کے لیے زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ بن جاتی ہے ۔

عینِ وصال میں مجھے حوصلہَ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہِ بے ادب

معانی: بہانہ جو: بہانے تلاش کرنے والی ۔ نگاہِ بے ادب: وہ نگاہ جو محبوب کو دیکھنے کے لیے اٹھ جائے ۔
مطلب: یہ میری بدبختی ہی تو ہے کہ جب محبوب کے وصل کا مرحلہ آیا تو مجھے اس کی جانب ایک نگاہ ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی حالانکہ میری شوخ نگاہیں عرصے سے دیدار محبوب کی متلاشی تھیں یوں وصل کی خواہش اور عمل بھی ادھورا رہا ۔

گرمیِ آرزو فراق ! شورشِ ہائے و ہو فراق
موج کی جستجو فراق! قطرہ کی آبرو فراق

معانی: شورشِ ہائے وہو: ہجر میں عاشق کی آہ و فغاں ۔ فراق: جدائی ۔ موج کی جستجو: پانی کی لہر کی کوشش و طلب ۔ آبرو: عزت ۔
مطلب: سو اس ساری بحث کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ عشق حقیقی میں ہجر و فراق کی کیفیت ہی سب سے اہم شے ہے ۔ آرزو اور خواہش اسی کیفیت میں برقرار رہتی ہیں اور تمام نالہ و فریاد بھی اسی کے دم سے زندہ ہیں ۔ اس کی مثال سمندر میں موج کی سی ہے جو اس سے علیحدگی کے لیے مضطرب اور بے قرار رہتی ہے اسی کے سبب سمندر میں تلاطم پیدا ہوتا ہے ۔ دور کیوں جائیں ایک قطرہ آب کو ہی لیجیے جو پانی میں مل کر اپنی ہستی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اس کی آبرو تو اسی لمحے تک قائم رہتی ہے جب تک وہ سمندر سے علیحدہ رہ کر اپنے وجود کو برقرار رکھتا ہے ۔ مراد یہ کہ اپنی انفرادیت برقرار رکھ کر فرد اپنی شناخت کرا سکتا ہے اور یہی انفرادیت اس کو منزل کا پتہ دیتی ہے ۔

پروانہ اور جگنو

پروانہ

پروانے کی منزل سے بہت دُور ہے جگنو
کیوں آتشِ بے سوز پہ مغرور ہے جگنو

مطلب: اقبال یہاں اپنی تخیلی قوت کے حوالے سے پروانے اور جگنو کو ایک ہی مقام پر لے آتے ہیں ۔ اس شعر میں جگنو کو مخاطب کرتے ہوئے پروانہ یوں گویا ہوتا ہے کہ میری فطرت تو شمع کی روشنی پر قربان ہو کر مر مٹنے کی ہے جب کہ تجھ میں قطعی طور پر ایسی صلاحیت موجود نہیں ہے ۔ تیرے پروں سے تو ایسی آگ برآمد ہوتی ہے جس میں حدت اور حرارت بھی نہیں ہوتی اس اعتبار سے تیرا وجود محض ایک بیکار جنس کے سوا اور کچھ نہیں ۔

جگنو

اللہ کا سو شکر، کہ پروانہ نہیں میں
دریوزہ گرِ آتشِ بیگانہ نہیں میں

معانی: دریوزہ گر: مانگنے والا ۔ آتش: آگ ۔

مطلب: اس مکالمے اور الزام تراشی پر کسی قسم کی برہمی کا اظہار کئے بغیر جگنو، پروانہ سے مخاطب ہو کر یوں جواب دیتا ہے کہ تو محض

روشنی پر جل مرنے کے عمل پر نازاں ہے ۔ اسی باعث میں پروردگار کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے تجھ جیسا نہیں بنایا ۔ میں تو خود اپنی روشنی سے فضا کو منور کرتا ہوں اور تیری طرح دوسروں کی روشنی پر مرمٹنے کا قائل نہیں ۔ مراد یہ ہے کہ ہر جاندار کی بنیادی خصوصیت اس کا ذاتی جوہر ہی ہوتا ہے ۔

جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے عمرِ جاوداں کا سراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں اُمتوں کے چراغ

مطلب: اس شعر میں اقبال فرماتے ہیں کہ اے فرزند عزیز! اس حقیقت کو پوری طرح ذہن نشین کر لے کہ خودی ہی ایسا جذبہ ہے جس کو اپنانے سے فرد کو حیات جاودانی نصیب ہو سکتی ہے اور وہ اپنے عمل سے ہمیشہ زندہ رہتا ہے ۔ یہ جذبہ خودی ہی ہے جو افراد اور قوموں کے لیے عروج و ارتقاء کی منزل فراہم کرتا ہے ۔

یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود
ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فراغ

معانی: فروغ: ترقی ۔ فراغ: فرصت ۔
مطلب: یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی مقصد لے کر آتا ہے ۔ یہی مقصد اسے ارتقاء کی منزل سے ہم آہنگ بھی کرتا ہے اور اطمینان قلب بھی بخشتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ ظاہری نمود و نمائش کوئی شے نہیں ۔ اصل مسئلہ وہ زندگی ہے جو بامقصد ہو ۔ یہی جذبہ فرد کو عملی جدوجہد کا حامل بناتا ہے ۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

معانی: زاغ: کوا ۔ شاہیں بچے: باز کا بچہ ۔
مطلب: اب ذرا ایک پرندے کوے کی جانب دیکھو کہ وہ ادھر اُدھر منہ مار کر بڑی عیاری اور چالاکی سے اپنا پیٹ بھرنے کے لیے

دوسروں کا مال ہڑپ کر جاتا ہے ۔ لیکن خود اپنی جدوجہد کے ذریعے کبھی بھی روزی حاصل کرنے کے قابل نہ ہو سکا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں بلند پروازی مفقود ہے ۔ یہ بھی جان لو کہ اگر کسی بلند پرواز شاہیں کا بچہ کوے کی صحبت میں رہے گا تو وہ اپنی فطری صلاحیتوں سے محروم ہو کر اس کی سی عادتیں اختیار کر لے گا ۔ مراد یہ ہے کہ صحبتِ بد سے گریز کرو کہ یہ انسان کے اپنے کردار کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے ۔

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

مطلب: اس وقت کیفیت یہ ہے کہ پورے معاشرے پر نظر ڈالیں تو اس امر کا بڑی شدت کے ساتھ احساس ہوتا ہے کہ انسانوں میں غیرت و حیا کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے ۔ کسی بھی برائی کو قبول کرتے ہوئے ان کو کسی طرح کی پشیمانی کا احساس تک نہیں ہوتا ۔ سو اے بیٹے! اس صورت حال کے پیش نظر میں خدائے عزوجل سے یہی دعا کرتا ہوں کہ تجھ میں غیرت و حیا کا جذبہ برقرار رہے اور تیرا شباب ہمیشہ داغ دار ہونے سے بچا رہے ۔

ٹھہر سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ و شگفتہ دماغ

معانی: ظریف: خوش مذاق، اچھا سوچنے والا، دماغ میں بھی شگفتگی ہے ۔
مطلب: آخری شعر میں اقبال فرماتے ہیں کہ جہاں تک میری زندگی اور کردار کا تعلق ہے اس امر سے واضح ہو جائے گا کہ میں ایک خوش طبع، خوش اخلاق اور خوش ہونے کے سبب ان خانقاہوں کے قریب تک نہ پھٹک سکا جو تنگ ظرف، خشک طبع اور مفسد ملاؤں کی کمین گاہیں بنی ہوئی ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ نوجوانوں کو جہاں رند مشرب لوگوں کی صحبتوں سے گریز کرنا چاہیے وہاں متذکرہ قسم

کی خانقاہوں سے احتراز بھی لازم ہے کہ ہر دو مقامات کا ماحول غیرت و حیا سے عاری ہو چکا ہے اور نوجوان نسل کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے ۔

گدائی

میکدے میں ایک دن اک رندِ زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا

معانی: رند زیرک: سمجھدار شرابی ۔ گدائے: فقیر ۔
مطلب: اقبال کے بقول یہ نظم مصنوعی سطح پر فارسی زبان کے ممتاز اور قادر الکلام شاعر انوری کی نظم سے ماخوذ ہے لیکن اقبال نے جس انداز میں اپنے اشعار میں اس موضوع کا احاطہ کیا ہے وہ دیکھا جائے تو عملاً ان کے کمال فن کی دلیل ہے ۔ نظم کے اشعار پر ان کی گرفت اس قدر مستحکم ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے ۔ فرماتے ہیں ایک رند شراب خانے میں ایک مے نوش سے جس کی گفتگو دانائی پر مبنی تھی یوں گویا ہوا کہ ہمارے شہر کا حاکم عملاً ایک بھک منگے سے کم نہیں ۔ ظاہر ہے کہ دوسرے بھک منگوں کی طرح اس میں بھی حیا اور غیرت کا کلی طور پر فقدان ہے ۔

تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے
کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زریں قبا

معانی: بے کلاہی: تاج کا نہ ہونا ۔ عریانی: ننگا ہونا ۔ زریں قبا: سنہری لباس ۔
مطلب: اپنے دعوے کی وضاحت کرتے ہوئے اس نے استدلال کیا کہ دیکھنا یہ ہے کہ کتنے لوگوں کی دستار چھین کر اس نے اپنے سر کا تاج بنوایا ہے اور کتنے لوگوں کو بے لباس کر کے اس کے جسم کے لیے قبائے زریں تیار ہوئی ہے ۔

اس کے آبِ لالہ گوں کی خونِ دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا

معانی: لالہ گوں : شراب ۔ دہقاں : کسان ۔ کیمیا: سونا ۔
مطلب: کسانوں کی خون پسینے کی کمائی سے خراج اور ٹیکس کے نام سے وصول کر کے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہوئے شراب کے جام لنڈھاتا ہے اور غریب کسانوں کے کھیت کی مٹی اس کے لیے کیمیا ثابت ہو رہی ہے ۔ مراد یہ ہے کہ حاکم شہر اپنے مفادات اور عیش پرستی کے لیے محنت کشوں کا استحصال کرتا ہے یعنی خود محنت سے جی چرا کر دوسروں کی محنت کی کمائی کو حلال سمجھتا ہے ۔

اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے ، مردِ غریب و بے نوا

مطلب: صورت حال یہ ہے کہ اس کے دولت کدے میں جو چیز بھی موجود ہے وہ چھینی ہوئی یا مانگی ہوئی ہے ۔ اور جن لوگوں سے یہ اشیاء حاصل کی گئی ہیں وہ غریب اور مفلس لوگ ہیں جو شب و روز خون پسینہ بہا کر اپنی روزی اور دوسری ضروریات زندگی فراہم کرتے ہیں ۔ لیکن حاکم شہر ہے کہ بڑی ڈھٹائی اور بے غیرتی کے ساتھ پیداواری اشیاء کا بیشتر حصہ مفت میں ہڑپ کر جاتا ہے ۔

مانگنے والا گدا ہے ، صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطاں سب گدا

مطلب: دراصل حقیقت یہ ہے کہ ساری صورت احوال کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خواہ کوئی صدقہ یا بھیک مانگے یا پھر خراج طلب کرے وہ اور کچھ نہیں عملاً بھکاری اور فقیر ہے اور اس حقیقت کو کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے بات یہی ہے کہ فقیر ہو یا بادشاہ عملاً وہ بھکاری اور گداگر ہی ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ۔ ان سب کی زندگیاں بھیک پر ہی گزر رہی ہیں ۔
اقبال نے جس حکیمانہ انداز میں گداگری کے مسئلے کا تجزیہ کیا ہے وہ معاشرے کے لیے دیکھا جائے تو درس عبرت ہے ۔ تاہم وہ لوگ جس سارے قضیے کے ذمہ دار ہیں وہ اس قدر بے حیا اور غیرت سے عاری ہیں کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا ۔

ملاّ اور بہشت

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرتِ ملاّ کو ملا حکمِ بہشت

مطلب: ضبطِ سخن: خموشی ۔

مطلب: ایک عرصے سے ملاؤں نے کج بحثی، منافقت اور تفرقہ پردازی کا جو بازار گرم کر رکھا ہے اسی کے سبب بے شمار لوگوں خصوصیت کے ساتھ نوجوان نسل میں دین و مذہب کے ساتھ وہ لگاؤ نہیں کہ جو ہونا چاہیے ۔ اقبال عمر بھر اپنے افکار کے ذریعے ملاؤں کے اس کردار کے خلاف جہاد کرتے رہے ۔ یہاں انھوں نے ملاؤں کے کردار کو جس خوبصورت انداز میں پینٹ کیا ہے وہ انتہائی لائق ستائش ہے ۔ چنانچہ اس شعر میں وہ آغاز اس طرح کرتے ہیں کہ اس وقت ملا کو بہشت میں بھیجنے کے لیے باری تعالیٰ نے حکم جاری کیا تو اتفاق سے میں بھی وہیں موجود تھا ۔ چنانچہ ملا کی پذیرائی کے اس عمل کو دیکھ کر میری قوت برداشت جواب دے گئی ۔

عرض کی میں نے الٰہی مری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لبِ کشت

معانی: تقصیر: غلطی ۔ لب کشت: باغ کا گوشہ ۔

مطلب: چنانچہ حق تعالیٰ سے میں نے گزارش کی کہ اگر میری تقصیر معاف کر دے تو تجھ سے یہ استفسار کرنے کی جسارت کروں کہ تو جو اسے بہشت میں بھیج رہا ہے تو یہ بھی سوچا کہ اس جیسے شخص کو وہاں کی حوریں ، شراب طہورہ اور سبزہ گل کیسے راس آئیں گے اور یہ چیزیں کیسے اس کے اطمینان قلب کا باعث ہو سکیں گی کہ وہ تو اپنی فطرت کے لحاظ سے لڑائی جھگڑے کا قائل رہا ہے ۔

نہیں فردوس مقامِ جدل و قال و اقوال
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت

معانی: جدل: جھگڑا ۔ قال و اقوال: باتوں کی زیادتی ۔ سرشت: عادت ۔
مطلب: اس شعر میں بھی کم و بیش انہی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جو اس سے پہلے کے شعر میں موجود ہیں یعنی کہ کج بحثی اور لڑائی جھگڑا تو تیرے اس بندے کی سرشت میں شامل ہے جب کہ بہشت میں اس جیسے مشغلوں کی گنجائش کہاں ہے ۔

ہے بدآموزیِ اقوام و مِلل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد ، نہ کلیسا ، نہ کنشت

معانی: بدآموزی: بری تعلیم ۔ اقوام و ملل: قوموں اور ملتوں کی جمع ۔ کلیسا: گرجا، عیسائیوں کی عبادت گاہ ۔
مطلب: قوموں اور ملتوں کو غلط راہ پر لگانا اور مختلف حیلے بہانوں سے ان میں پھوٹ ڈالنا تو ہمیشہ اس کی سرخوشی کا باعث ہوتا ہے جب کہ جنت میں تو نہ مسجدیں ہوں گی نہ گرجے اور نا ہی دوسری عبادت گاہیں ۔ جن کو یہ شخص جھگڑے کی بنیاد بناتا ہے ۔ اقبال نے یہی موضوع اپنے بے شمار اشعار میں چھیڑا ہے ۔

دین و سیاست

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں میری

معانی: رہبانیت: دنیا ترک کرنا۔

مطلب: علامہ اقبال نے اس نظم میں یہ وضاحت کی ہے کہ اسلام نے سیاست اور دین کو مربوط کیا ہے جب کہ عیسائیت مذہب اور سیاست کے مابین جو ربط ہونا چاہیے اس کو ختم کر دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ خامی تھی کی کلیسا نے اپنے عقائد کی بنیاد ترک دنیا پر رکھی۔ مقصود یہ تھا کہ دنیاداری اور اس کے جملہ معاملات کو ایک دوسرے سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ اس صورت حال میں دین اور سیاست کی یکجائی کے امکانات کا عمل دخل کس طرح سے ہو سکتا تھا۔

خصومت تھی سلطانی و راہبی میں
کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری

معانی: سربزیری: عاجزی۔

مطلب: بادشاہی اور رہبانیت کے مابین توازل سے شدید اختلافات چلے آرہے ہیں اس لیے کہ حاکمیت کا تصور تو انسان کی بلند مرتبت کا حامل ہے جب کہ ترک دنیا کا معاملہ انسان کو پستی کی طرف دیکھنے والا اور غیر فطری ہے۔

سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیرِ کلیسا کی پیری

معانی: پیرِ کلیسا: پادری ۔
مطلب: یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب مذہب سے سیاست نے اپنا پیچھا چھڑا لیا اور یوں دونوں کے مابین جو رابطہ تھا ختم ہو گیا اس کے باوجود پادریوں کی اجارہ داری بھی ایک طرح سے ختم ہو کر رہ گئی ۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری

معانی: ہوس: لالچ ۔
مطلب : جب دین و سیاست کے مابین جو رشتہ تھا وہ ٹوٹ گیا تو سربراہ مملکت اور ان کے وزیر مشیر بے شک برسر اقتدار تو رہے تا ہم محض حرص و ہوس کے بندے بن کر رہ گئے ۔ اس لیے کہ اخلاقی اقدار کا تصور ہی ختم ہو گیا تو بات آگے کیسے چلتی ۔

دوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی
دوئی چشمِ تہذیب کی نابصیری

معانی: نامرادی: بے نصیبی ۔ دوئی: علیحدگی، غیریت ۔ نابصیری: اندھاپن ۔
مطلب: دین اور سیاست کے ایک دوسرے سے علیحدگی کے باعث ان پر ناآسودگی نے ڈیرہ ڈال لیا ۔ اور دورخ اور متضاد رویے کے سبب تہذیب اور کلچر بے بصر ہو کر رہ گئے ۔ ان دونوں میں نیکی اور بدی کا تصور بے معنی ہو کر رہ گیا ۔ پھر معاملے یہاں اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ سارا نظام معاشرت درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے ۔

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری

مطلب: متذکرہ انتشار کا یہ ردعمل تھا کہ پیغمبر انقلاب حضور سرور کائنات نے مبعوث ہونے کے ساتھ جہاں دعوت اسلام دی اور وہاں معاشرے میں بھی انقلابی تبدیلیاں لانے کے لیے دین اور سیاست کو یکجا کر دیا اور دینی احکام کو ہی حکمرانی کا منشور قرار دیا ۔ اس کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ حاکم وقت پر بھی لازم ہے کہ وہ فرمان الٰہی کی ہر قیمت پر تعمیل کرے اور دوسروں کو بھی ان کی مکمل اطاعت پر آمادہ کرے ۔ اس کا منطقی نتیجہ اس صورت میں نمودار ہوا کہ حاکم اور عام لوگ فطری طور پر ایک احتسابی عمل کے زیر اہتمام زندگی بسر کرنے لگے اور یوں خود بخود برائی سے دور ہوتے چلے گئے ۔

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی

کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

مطلب: حضور نے احکام خداوندی کی روشنی میں یہ بات واضح کر دی کہ دین اور سیاست کو یکجا کئے بغیر انسانی معاشرے اور انسانیت کا تحفظ ممکن نہیں ۔ کسی بھی معاشرے بالخصوص اسلامی معاشرے میں یہ امر ناگزیر ہے کہ ہر دو بنیادی معاملات کے مابین ربط رہے ۔ اسی صورت میں انقلاب کی تکمیل ممکن ہے ۔

اَلارضُ للہ

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب

معانی: الارض للہ: زمین اللہ کی ہے ۔ سحاب : بادل ۔
مطلب: ان چار اشعار پر مشتمل اس نظم کا بنیادی موضوع زمین کی ملکیت کا مسئلہ ہے ۔ احکام قرآنی اور تعلیمات اسلامی کے حوالے سے اقبال یہاں کہتے ہیں کہ زمین کا مالک زمیندار اور جاگیر دار نہیں بلکہ خدائے ذوالجلال ہے ۔ اور جو کاشتکار اپنی اپنی محنت سے اس کی آبیاری کر کے فصل اگاتا ہے وہ اگر کسی کے سامنے جوابدہ ہے تو وہ محض ذات خداوندی ہے ۔ لہذا زمیندار اور جاگیر داروں کو جنھوں نے تمام زمینوں پر اپنی اجارہ داری کر کے مزارعین اور کاشتکاروں کو اپنا غلام بنایا ہے اور ان لوگوں کی خون پسینے کی کمائی سے ہی اپنی تجوریاں بھرتے ہیں اور پھر عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ سو اقبال زمینداروں اور جاگیرداروں سے استفسار کرتے ہیں کہ براہ کرم اتنا تو بتا دو کہ وہ کون ہے جو زمین پر ہل چلا کر وہاں فصل اگانے کے لیے بیج ڈالتا ہے اور اس عمل کے لیے کس نے اسے اتنی صلاحیت عطا کی ہے پھر اس بیج کی پرورش کون کرتا ہے اور وہ کون ہے جو دریاؤں اور سمندروں کی موجوں سے پانی کشید کر کے بادلوں میں محفوظ کرتا ہے اور پھر ان محفوظ ذخائر اگتی ہوئی فصلوں کو تازگی اور نشوونما کے مراحل سے گزارتا ہے ۔

کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ آفتاب

معانی: پچھم : مغرب ۔ بادِ سازگار: کام کی ہوا ۔
مطلب: اس سوال کا جواب بھی دے کہ انہی فصلوں کی پرداخت کے لیے مغرب سے جو ہوائیں آتی ہیں وہ کس کے حکم سے آتی ہیں ۔ یہ زمین کس کی ہے اور سورج جو روشنی فراہم کرتا ہے کس کے حکم سے کرتا ہے ۔

کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب

معانی: خوشۂ گندم: گندم کا گچھا ۔ خوئے انقلاب: بدلتے رہنے کی عادت ۔
مطلب: وہ کون سی قوت ہے جو وقتاً فوقتاً موسموں میں تبدیلی لاتی ہے اور گندم کی فصل پکنے پر اس کے سنہری خوشے موتیوں جیسے دانوں سے بھر دیتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ وہ خدا کے علاوہ کوئی نہیں ۔

دہِ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں

معانی: دہ خدایا: گاؤں کا مالک زمیندار ۔
مطلب: اے زمینوں پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے والے شخص! یہ حقیقت تجھ پر واضح کرنی ضروری ہے کہ یہ زمین نہ تیری ہے نا تیرے آباء واجداد اس کے مالک ہیں ۔ نہ میری ہے بلکہ اس زمین کا مالک حقیقی تو وہ رب ذوالجلال ہے جس نے ہم سب کو اور پوری کائنات کو پیدا کیا ہے ۔

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

معانی: تن آسانی: سستی، غفلت ۔
مطلب: ہرچند کی یہ نظم اپنے عنوان کے اعتبار سے ایک نوجوان کے نام ہے لیکن عملاً یہاں اقبال نے ملت اسلامیہ کے تمام نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے نصیحت کی ہے کہ تمہیں تن آسانی زیب نہیں دیتی بلکہ جفاکش ہونا چاہیے اور ضروری ہے کہ حیدر کرار کی سی قوت اور جراء ت اور سلیمان فارسی جیسا استغنا اپنے آپ میں پیدا کرو۔ یہی عوامل دنیا میں کامیابی و کامرانی کی دلیل ہیں ۔ چنانچہ وہ نظم کا آغاز اس طرح کرتے ہیں ، اے نوجوان! ہرچند کہ تیرے ایوان راحت میں عیش و عشرت کے تمام لوازمات یکجا نظر آتے ہیں اس کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ تیرے جو صوفے بچھے ہوئے ہیں وہ مغربی طرز کے ہیں اور کمروں کو ایرانی قالینوں سے مزین کر رکھا ہے بے شک تیرے پاس دولت ہے اور دولت کی نمائش کا حق بھی تجھے حاصل ہے لیکن ان نمائشی اشیاء کی موجودگی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تجھے آرام پسندی اور عیش و عشرت کے سوا اور کسی چیز سے دلچپی نہیں اور یہی وہ المیہ ہے جو مجھے خون کے آنسو رلاتا ہے ۔

امارت کیا، شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

معانی: امارت: امیری ۔ خسروی: بادشاہی شان ۔ حیدری: حضرت علی کا بازو۔ استغنائے سلمانی: حضرت سلمان فارسی کا صبرو قناعت ۔
مطلب: دوسرے شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ اے نوجوان! یہ دولت تو الگ رہی اگر تجھے کسی ملک کی بادشاہت بھی مل جائے تو

اس سے اس وقت تک کچھ حاصل نہ ہو گا کہ اس کو مضبوط و مستحکم رکھنے کے لیے تجھ میں شیرِ خدا حیدر کرار جیسی قوت اور جراء ت و ہمت کے علاوہ حضرت سلمان فارسی جیسا استغناء موجود نہ ہو یعنی تو مذکورہ علائق دنیوی سے بے نیاز نہ ہو جائے ۔

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

مطلب: اور اس نوع کی بے نیازی عہد حاضر کی جو تہذیب ہے اس کی مصنوعی چکا چوند میں ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکنات سے ہے کہ اس تہذیب نے حرص و ہوس ایسی لعنتیں انسان پر مسلط کر دی ہیں جن سے چھٹکارا اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی تعلیمات پر عمل کرے ۔ انہی تعلیمات کے ذریعے مسلمان عروج وارتقاء کی منازل طے کرنے کے اہل بن سکتے ہیں ۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

مطلب: اے میرے عزیز! تجھے اس حقیقت کا مکمل ادراک ہونا چاہیے کہ جب نوجوانوں میں بلند ہمتی اور ارادوں میں استحکام کے جوہر پیدا ہوتے ہیں تو وہ اپنی منزل مقصود کی معراج کو چھو لیتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمت و حوصلے کے بغیر منزل تک رسائی ممکن نہیں ۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مرد مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

معانی: نومید: نا امید ۔ رازدانوں : راز جاننے والے ۔

مطلب: بے شک حالات کتنے ہی ناگفتہ بہ ہوں اور فضا کتنی ہی ناسازگار ہو اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ اس نوع کی مایوسی اور نا امیدی اس وقت جنم لیتی ہے جب فرد میں علم و عرفان کے جوہر زائل ہو جاتے ہیں ۔ اور وہ اپنی ذات کی شناخت کے عمل اور معرفت خداوندی سے محروم ہو جاتا ہے ۔ امید پر ہی دنیا قائم ہے ۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ منزل کو پا لینے کے لیے عملی جدوجہد کرتا رہے اور اس کا نتیجہ کیا حاصل ہو گا ۔ یہ سب خدا پر چھوڑ دے ۔ مومن کی حقیقی شان اور اس کا کردار ہی یہی ہے ۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

معانی: نشیمن : گھونسلہ ۔ قصرِ سلطانی : شاہی محل ۔

مطلب: اے نوجوان! اس ضمن میں آخری بات یہ ہے کہ جس طرح شاہیں کسی ایسے مقام پر نہیں ٹھہرتا جہاں محض مصنوعی آرام و آرائش ہو بلکہ وہ تو پہاڑوں کی سنگلاخ چٹانوں میں جا بسیرا کرتا ہے تو بھی شاہیں کے مانند ہے ۔ عملی زندگی آرام و آسائش اور عیش و عشرت تک محدود نہیں ہونی چاہیے بلکہ جفاکشی اور بلند حوصلگی تیرا شعار ہونا چاہیے ۔